ماهنامہ

حکمت بالغه

مئی2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

الحمدللہ کہ اسی ذات حق کی توفیق سے ہم اگست 2008ء کے حکمت بالغہ کے "حقیقت علم نمبر" میں دیے گئے وعدہ کے مطابق ''احیاءالعلوم نمبر'' قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ وہ مغربی علم جو مادہ پرستی کے خمیر سے اٹھا ہے اور الحاد و سیکولرازم کی گود میں پل کر اب عالم میں چار سُو پھیل چکا ہے' اپنی فطرت کے اعتبار سے خدا ناشناس بلکہ خدا، آخرت، قرآن سے بیزار ہے۔ اس صورت میں یہ علم ابلیسی ہتھیار اور دجالی فتنہ ہے یعنی دھوکے سے لوگوں کا استحصال کر رہا ہے۔

''احیاءالعلوم نمبر'' میں صرف اسی بات کو واضح کرنے کی ایک سعی کی گئی ہے کہ اس مغربی علم کے تجرباتی حصہ کو ابلیسی آلۂ کار بننے سے بچایا جائے، دجالیت کے شکنجے سے نکال کر وحیِ نبوت اور خدا، آخرت، قرآن کے تصورات کے سایۂ رحمت میں لایا جائے حضرت محمد ﷺ رحمت للعالمین بن کر دنیا میں آئے تھے ان کے لائے ہوئے قرآن اور سنت کے احکام کی روشنی میں عقلِ سلیم سے کام لے کر جو 'حکمت' وجود میں آئے گی اس کے زیرِ سایہ تمام تجرباتی علوم جس انداز میں ترقی کریں گے وہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ سماجی، معاشی اور سیاسی میدان میں کامل مساواتِ انسانی، معاشی عدل کے ساتھ جوا، سود، سٹہ کا خاتمہ، حاکمیت خداوندی کے تصور کے ساتھ 'خلافت عامہ' کا تصور جس میں خلیفہ ''سید القوم خادمہم'' کا مصداق ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ہر مسلم اور غیر مسلم شہری کی کفالت کا انتظام ریاست کے ذمے ہوگا، کفالت کے نظام میں پانچ شعبے

ہیں: روٹی، کپڑا، مکان، بنیادی تعلیم اور علاج معالجہ ہر شہری کا حق ہے اور مسلم اور غیر مسلم ہر شہری اس سے مستفید ہوگا۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اس کام کو آگے بڑھائیں اور اس کام کے لئے کمر ہمت کس کر میدان میں اتریں اور ہر شخص اپنے حصے کا کام سرانجام دے تا کہ احیاء العلوم کا یہ کام جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔

''احیاء العلوم نمبر'' میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ احیاء العلوم کی بات ہوتی ہے تو موجودہ نصابی کتب از KG تا میٹرک، انٹرمیڈیٹ تا ایم۔اے، ایم ایس سی ہر شعبہ تعلیم کی کتب دوبارہ اس طرح تحریر کرنا پڑیں گی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کو بطور خالق، مالک اور ربّ پیش کیا جائے اور مشاہدہ اور تجربہ کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ کائنات کے مطالعہ کا نام دیا جائے اور حاصل شدہ نتائج کو آیاتِ خداوندی کی معرفت قرار دیا جائے تا کہ زیالوجی، بیالوجی، کیمسٹری، فزکس، انجینئرنگ، اکنامکس، سوشل سائنسز وغیرہ ہر کلاس روم میں زبان خالقِ کائنات اور اس کے احکام و آیات کے الفاظ سے ہر وقت تر رہے اور ہر نئی چیز کے حصول و دریافت پر دل میں اس اللہ کی عظمت میں اضافہ ہو اور زبان پر اس کے شکر کا ترانہ جاری ہو۔ اور مزید پیش رفت کے لئے زبانیں اس باری تعالیٰ سے ''اے اللہ ہمارے لئے غیب کے خزانے کھول دے'' کی دعا کر رہی ہوں اور

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَآءِ

''اے اللہ ہمیں ہر چیز کی حقیقت (کیمسٹری اور دیگر باریکیاں) دکھا''

آمین ــــــــــــ اور

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا ــــــــــــ وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ

وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً ــــــــــــ وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

''اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے''

ان علوم کے پڑھانے والے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ کے نمونے، معرفت خداوندی کے پیکر، عالم باعمل ہوں ان کے عمل و کردار میں قرآن و سنت کا نور ہو ــــــــــــ اور ان علوم کے

حاصل کرنے والے نوجوان متعلّمین کے دلوں میں تلاش حق کا شوق اور معرفت خداوندی کے حصول کا جذبہ موجزن ہو۔

موجودہ مغربی تجرباتی علم اور فکر وفلسفہ کو خداشناس اور خداپرست بنانے کے لئے نصابی کتب کو دوبارہ تحریر میں لانا ہوگا اور سابقہ کتب میں سے غلط مواد کو دریابرد کرنا ہوگا۔ نظام تعلیم کا ذکر آئے گا تو اس نظام تعلیم سے ہم آہنگ 'معلم' اور اساتذہ کا ذکر بھی آئے گا۔ نئی نصابی کتب کی تیاری اور اس انداز کے معلّمین کی تربیت نہایت اہم کام ہیں۔

پہلی نظر میں کام بہت بڑا اور ماحول حوصلہ شکن ہے تاہم ہمت کرے انسان تو کیا نہیں ہوسکتا' بڑے بڑے کاموں کا آغاز اکثر وبیشتر بڑا سادہ اور حقیر سا ہوتا رہا ہے۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو اور کچھ ہمت ور لوگ حوصلہ کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مشکل آسان نہ ہوسکے۔ یہ نظام تعلیم روبہ عمل آجائے تو طلباء کو الگ سے نماز کی تعلیم اور اسلامیات کی تعلیم دینے کی آج کی طرح ضرورت نہیں بلکہ سکول وکالج کی ہر کلاس اللہ، آخرت، وحی، نبوت ورسالت کے تصورات سے براہِ راست یا بالواسطہ منسلک رہے گی اور ہر انسان مرد وعورت اپنے اپنے دائرہ کار میں اس سے مستفید ہوسکے گا۔

آخر میں قارئین سے استدعا ہے کہ ہماری یہ کاوش کوئی حرفِ آخر نہیں ہے ہم نے امت کے ذہین عناصر، کار پردازانِ شعبہ تعلیم اور علامہ اقبال کے مدح خوانوں اور ڈاکٹر رفیع الدین کے قدر دانوں کی توجہ مبذول کرانے کی ایک سعی کی ہے اس میں جہاں کہیں کوئی خطا ہے اور غلطی ہے وہ ہماری وجہ سے ہے اور جہاں کوئی خوبی اور حکمت ہے وہ خالق ومالک کی کسی شان کا مظہر ــــــــــــ آپ توجہ دلائیں گے تو ہم اپنی غلطی کو تسلیم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے (ان شاءاللہ)

اس خصوصی نمبر کی اشاعت کے باعث ہمارے معمول کے عنوان بالخصوص سیمینار کے سلسلے کی شخصیات کا تذکرہ رہ گیا ہے اس کے لئے قارئین سے معذرت ہے ان شاء اللہ وہ اگلی اشاعت سے پھر جاری ہوگا۔ آئندہ ماہ کی شخصیت حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ ہے۔

پہلا حصہ

احیاءالعلوم کیا ہے؟

☆ حقیقت علم سے احیاءالعلوم تک

☆ اقبال کا فلسفہ تعلیم

☆ انسان اور گردوپیش

☆ موجودہ مغربی تہذیب کے خدوخال

RELIGION اور سیکولرازم کے خدوخال

☆ مغرب میں تجرباتی علوم کی تیز رفتار ترقی، تہذیب وثقافت کی تشکیل

حقیقت علم ـــــ سے ـــــ احیاء العلوم تک

یہ بجا ہے کہ حکمت بالغہ کے "حقیقت علم نمبر" (اگست 08) میں گفتگو کا سارا مدار اکتسابی علم یا علم جدید پر ہی تھا اور یہی ہمارا مدعا اور مقصود بھی تھا اس لئے کہ اکتسابی علم یا علم بالحواس کے مقابلے میں دوسرا علم 'علم بالوحی' ہے ان دونوں علوم کے اتصال اور اجتماع سے ہی خیر وجود میں آتا ہے۔ پھر علم بالوحی تو ایک معین اور مدوّن شکل میں موجود ہے۔ اس کی ایک صورت قرآن پاک ہے یہ 'کتاب اللہ' دو گتوں کے درمیان مجلد شکل میں محفوظ و مامون ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور اپنے تو اپنے ہیں غیر بھی اس بات کے معترف ہیں اور علیٰ رؤس الاشہاد اقراری ہیں کہ سابقہ آسمانی کتب کے مقابلے میں قرآن مجید اپنے متن کے لحاظ سے بھی محفوظ ہے اور تلاوت (RECITATION) اور لہجے (DILAECT) کے لحاظ سے بھی محفوظ ہے جس کے نتیجے میں یہ کتاب خداوندی اور آسمانی ہدایت اپنے معانی کی بھی حفاظت کرنے میں کامیاب رہی ہے اور اسلام کے انفرادی و اجتماعی احکام میں حکومتی و ریاستی اختیارات کے سلب ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کے ذخیرہ علمی میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث وحی غیر متلو کہلاتی ہیں' ان کی کتابوں میں بھی اس درجہ حتمیت ہے کہ جو ممکنہ مواد (RAW MATERIAL) ہے وہ انہیں کتب میں موجود ہے کوئی نئی حدیث سامنے نہیں آسکتی۔ ساری محنت ایک خاص میدان میں ہے کہ لوگوں نے چھان پھٹک کر کے اس ذخیرۂ احادیث میں سے رطب و یابس کو علیحدہ کر کے ایسی احادیث کو الگ کر دیا ہے جو عمل کے لئے حجت ہیں۔ اس میدان میں کام ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا (ان شاء اللہ)۔

تاریخ میں انسانوں کے درمیان ظلم، ناانصافی، قتل و غارت، دوسروں کی حق تلفی،

جھوٹ، فراڈ، بد یانتی جیسی بیماریاں جب بھی پیدا ہوئی ہیں اکتسابی علم میں بہتات کی وجہ سے آئی ہیں، جب تجرباتی علم آگے بڑھا ہے تو اس سے معاشرے میں خوشحالی اور وسائل رزق میں اضافہ ہوا ہے تو اس سے انسانوں کا معیار زندگی بڑھا ہے جس میں فرصت کے لمحات میں اضافہ ہوا ہے اس سے سیر وتفریح، سیاحت، کھیل کود، لہو ولعب کے مشاغل، شراب نوشی، بدکاری اور بے حیائی کو فروغ دینے کے اسباب پیدا ہوئے ہیں اور انسان نے آسمانی ہدایت سے بے اعتنائی برتی ہے اور ــــــــــــ ہوتے ہوتے آسمانی ہدایت کو 'قید' اور جکڑ بندی سمجھ کر اکتسابی علم کی روشنی میں حیوانی انداز میں انسان نے اپنے آپ کو 'آزاد' کرانے کی کوششیں کی ہیں اور انسانیت سے حیوانیت کے اس سفر کو 'روشن خیالی' 'آزادی' اور انسانی حقوق کا دل فریب نام دیا ہے۔

انسانی تاریخ میں پہلے بھی کئی تہذیبیں اٹھیں اور اپنی محنت اور بہادری و جانفشانی کی بدولت چھا گئیں جب عروج کا یہ سفر جاری تھا' ہر اٹھنے والی قوم اور تہذیب میں لوگوں کے پاس کچھ انسانی خوبیاں تھیں، انسانی اقدار تھیں اور بنیادی انسانی اوصاف کا لحاظ تھا، شمشیر و سناں تھیں ــــــــــــ مگر آہستہ آہستہ خوشحالی اور فراغت کے اسباب پیدا ہوئے تو - ع خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے' کے مصداق - اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے جذبات کو فروغ ملا اور اس فروغ میں شیطان کے انسان نما ایجنٹوں نے بنیادی رول (ROLE) ادا کیا ہے۔ پہلے اصلاحِ احوال کی کوششیں ہوا کرتی ہیں مگر جب شیطان کی وسوسہ اندازی شریک ہو اور شیطان کے مفادات اور اہداف (TARGETS) کا حصول بھی ایک آسودہ حال اور دانش ور طبقے کا مقصود حیات بن جائے تو پھر نہ تو کوئی علاج کارگر ہوتا ہے او نہ دوا کام آتی ہے اور اصلاح احوال کی ساری کوششیں رائیگاں ہو جاتی ہیں اور 'روشن خیال' اور آزاد منش، بے اصول اور اخلاق باختہ لوگ حق پرستوں کے مدمقابل کھڑے ہو جاتے رہے ہیں اور سفلی انسانی خواہشات کی تکمیل اور نفسانی لذتوں کا حصول ہی مطمع نظر بن جاتا ہے اور حق کی بات ایسے لوگوں کے بقول ان کی تفریحات میں خلل اور پروگراموں میں رکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور - مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی - کے عین مصداق ایک ایسا ناگزیر مرحلہ آتا رہا ہے کہ پھر یہ تہذیب علی الاعلان فطرت کے بنیادی انسانی اصولوں کی خلاف ورزی پر اتر آتی ہے کہ انسانی فطرت کے خلاف دلچسپیوں اور مشاغل کا دور دورہ

ہو جاتا ہے، منکرات بڑھ جاتے ہیں، معروف کا تذکرہ ہی نہیں رہتا اور ہوتا بھی ہے تو دبے الفاظ میں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ اہل حق اور مظلوم و مقہور و مفلس انسانوں کی کسمپرسی فطرت سے برداشت نہیں ہوتی اور ان کی آہیں اور سسکیاں 'نالہ بے باک' بن کر، فضاؤں کو چیر کر عرش الٰہی تک جا پہنچتی ہیں اور قدرت خداوندی ایسے شیطان نما اور درندہ صفت انسانوں سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیتی ہے پھر ایسے لوگوں کو نہ روشن خیالی کسی کام آتی ہے اور نہ ذہنی سہارے اور نہ نامعقول دلائل کوئی بچاؤ کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ حتی کی ایسی بستیاں، شہر، شاپنگ مالز (SHOPPING MALLS)، عیاشی کے اڈّے (VACATION RESORTS) اور ننگ انسانیت سیر و تفریح کے مقامات (NUDE BEACHES)، تھیٹر، ناچ گھر سب قدرت کے غیض وغضب یعنی آفات سماوی کا نشانہ بن جاتے ہیں ــــــــــــ الحمد للہ انسانیت کے اس سرطان زدہ حصے کو تباہ کر کے باقی انسانیت کو بچا لیا جاتا ہے۔

یہ نتیجہ ہوتا ہے اس 'شمشیر وسناں' والی انسانی اقدار کی علمبردار تہذیب کے 'طاؤس و رباب' کے دادہ ہونے اور اخلاق سوز اور انسان دشمن سرگرمیوں کے فروغ اور پھیلاؤ کا۔

خرابی کی یہ بنیادی کہانی ہر تہذیب کی کہانی ہے' حتی کہ خود انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی اس سے مبرا نہیں تھیں اور نہ ہیں۔

لہٰذا ــــــــــــ شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ مروّجہ علوم یا تجرباتی علوم کو علم بالوحی کے سائے میں لایا جائے یا بالفاظ دیگر اکتسابی علم کو علوم انبیاء اور 'وحی' کے قریب لایا جائے۔ ان دو علم کے منبعوں (SOURCES) کے درمیان تعاون و توافق پیدا کیا جائے اور تجرباتی علم کو وحی کے تابع کر کے آگے بڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

یہ کام ایک بہت بڑا ــــــ اور ــــــ مشکل کام ہے، اس کام کے دو محاذ ہو سکتے ہیں

پہلا محاذ یہ ہے کہ اکتسابی علم، علم بالحواس یا تجرباتی علوم (جو تمام عالم انسانیت کی مشترکہ متاع ہیں) کو علم بالوحی کے قریب لایا جائے، اس علم جدید کے ماہرین کو وحی یا قرآن اور صاحب قرآن سے متعارف کرایا جائے۔

دوسرا محاذ ہے کہ علم بالوحی یا علوم انبیاء علیہم السلام کو عصر حاضر کے علوم سے روشناس کرایا

جائے اس کوشش میں علم بالوحی کوعلم جدید کے آمنے سامنے کرنے سے مراد ماہرین علوم انبیاء کرام علیہم السلام یعنی اسلام کے علماء وصوفیاء کوعلوم جدیدہ کے ماہرین سے روشناس کرایا جائے۔

حکمت بالغہ کے صفحات میں 'حقیقت علم نمبر' کے بعد اب 'احیاء العلوم نمبر' کا اجراء اوپر درج کام کے دومحاذوں میں سے پہلے (SECTOR) کا ہے یعنی علوم جدیدہ کوعلوم وحی سے روشناس کرایا جائے۔ یہی کام ہمارے پیش نظر ہے جونصب العین کے مقام پر رکھا ہوا ہے اور یہی ــــــــــــ نعرہ (SELOGAN) ہے قرآن اکیڈمی کا اور یہی انجمن خدام القرآن جھنگ کے قیام کا مقصد ہے یعنی جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کی ترویج۔

جہاں تک دوسرے محاذ پر کام کرنے کا معاملہ ہے تو عرض ہے کہ اصلاً یہ کام دینی علوم کے ماہرین اوراکابرین کے خود کرنے کا ہے۔ ہمارا نہ یہ مقام ہے کہ علوم انبیاء علیہم السلام کے حاملین و ماہرین کوکوئی 'راہ نمائی' کرسکیں اور نہ ہی ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم یہ کام کریں، ہماری زندگی بھر کی تعلیمی دلچسپیوں اور علمی پس منظر کا میدان جدید تعلیم ہے جس کے ساتھ تھوڑا سا دینی علم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے عطا کر دیا ہے اور قرآن مجید کے تعلّم وتعلیم کے شعبے سے جوڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں قرآن حکیم کی ادنی سی خدمت کی توفیق بارگاہ ایزدی سے میسر آ گئی ہے؛ لہٰذا دوسرا محاذ ہمارا شعبہ اور قبلہ ہی نہیں بنتا۔ مزید یہ کہ اس ضمن میں طبقہ علماء دین میں جدید علوم سے واقف افراد کی اب کمی نہیں رہی' کام کا آغاز ہو چکا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ چند عشروں میں اس کے بابرکت نتائج سب کے سامنے آجائیں گے۔

اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ علوم انبیاء کرام علیہم السلام کے ماہرین یعنی قرآن وسنت کے درس وتدریس سے متعلق علماء کرام کوخود بھی اس بات کا احساس ہے اور اس کی ذمہ داری کومحسوس فرماتے ہیں۔ یہ بڑی بنیادی بات ہے کہ قرآن وسنت کے ماہرین حضرات علماء کرام ومفتیان کرام جس امانت کے 'امین' ہیں وہ امانت خود اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ اس امانت کو دوسروں تک بھی پہنچائیں یعنی تبلیغ واشاعت دین کا کام کریں، جس شخص کو جتنا علمِ دین میسر آ گیا ہے اس پر اولاً وہ خود عامل ہو ثانیاً اس کا نمونہ بن کر معاشرہ میں رہے اور عمل سے بھی اس

دین کی گواہی دے اور ثالثاً حال کے ساتھ اب قال سے بھی اسی حق کی گواہی دیتے ہوئے اس کی حتی المقدور اشاعت کرے انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔

علوم انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثان اور طبقہ علماء کے لئے اپنی اس ذمہ داری کے احساس کے بعد اس سے پہلو تہی ممکن نہیں اس احساس ذمہ داری کے پیدا ہوتے ہی جو مرحلہ سب سے پہلے آتا ہے وہ مرحلہ سر کرنا تبلیغ و اشاعت کے 'لوازم' میں شمار ہوگا ــــــــــــ یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لئے ایک طبقہ دعوت کے مخاطبین اور سامعین کا ناگزیر ہے۔ اور اس طبقہ سامعین یا مدعوّین (جنہیں دین اور علوم انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت دی جاتی ہے) کے مسائل، ذہنی سطح، تہذیب وثقافت، علمی حیثیت اور زبان کا جاننا ناگزیر (INEVITABLE) ہے۔

تبلیغ و دعوت اور اشاعت دین کے لئے مختلف مدارج ہیں اور وہ علماء جو اپنے علاقے سے باہر اور دوسرے ملکوں میں یا بین الاقوامی سطح پر دین اسلام کو پہنچانے کا کام کرنا چاہیں یا اللہ تعالیٰ نے ان کو عالمی سطح پر نمایاں کر کے اس عالمی اسلامی تبلیغ کے لئے مواقع فراہم کر دیے ہیں اب ــــــــــــ ان کے لئے اپنے مخاطبین یا مدعوّین کے فکر ــــــــــــ نظریات، مذہب ــــــــــــ علمی مقام اور استدلال اور تبلیغ کے ذرائع سے واقفیت تامہ حاصل کیے بغیر یہ کام سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔

اس بات احساس اس میدان کے ماہرین قرآن وسنت کو ناگزیر درجے میں ضرور حاصل ہے اور ان شاء اللہ جذبہ صادق ہے تو دعوت کے تقاضے، نئی راہیں اور نئے راستے خود رہنمائی کریں گے کہ اب اگلا قدم کس سمت میں اٹھانا چاہیے۔

اقبال کا فلسفہ تعلیم

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے تحت رہنا

چاہیے اگر وہ دین کے تحت نہ رہے تو شیطانیت ہے۔ یہ علم، علم حق کی ابتدا ہے۔ اور جو علم شعور میں نہیں سماتا اور جو حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے''۔

وہ کلیسا کے نظام تعلیم کے سخت مخالف تھے

؎ اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین مروّت کے خلاف

آگے چل کر کہتے ہیں

؎ وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

اقبال اور سیکولر نظام تعلیم

اقبال سیکولر نظام تعلیم کو امت مسلمہ کے لئے اخلاقی موت قرار دیتے ہیں کیونکہ سیکولر نظام تعلیم قومیت کی بقاونشوونما کے لئے زیر قاتل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

''سیکولر نظام تعلیم جہاں اخلاقیات پر بُرا اثر ڈالتا وہاں قومیت، وطن، نسل ورنگ اور زبان کے اجزائے ترکیبی سے نشوونما پاتا ہے حالانکہ اسلام ان امتیازات کو مٹاتا ہے''

اقبال نے جب مسلم دارالسلام دیوبند کا ناطہ قومیت و وطن سے جڑتے دیکھا تو سرتاپا احتجاج بن گئے۔ (ماخوذ از ''اسلامی تہذیب وتمدن'' تالیف محمد اسحاق مدنی)

انسان اور گردوپیش

انسان جب اس دنیا میں شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو کائنات کی وسعتیں، رنگارنگی دلفریبی کے اسباب اور عالم جمادات و عالم حیوانات کے عجائبات اُسے اپنے طرف خواہی نخواہی متوجہ کر لیتے ہیں' اس طرح انسانی شعور اور احساسات کا اس کائنات سے رابطہ بنتا ہے اور اس رابطہ (INTERACTION) سے مختلف علوم وجود میں آتے ہیں۔ اور آج دنیا میں موجود ہر علم

کی اساسات تلاش کریں تو اس کا سراغ لازماً فطرت انسانی میں ہی ملے گا۔ دنیا کے تمام علوم وفنون کا منبع وسرچشمہ پوشیدہ ومخفی خداداد انسانی صلاحیتیں وقوتیں (POTENTIAL) ہیں جو وقت کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر ترقی اور مادی وسائل میں اضافہ کی شکل میں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔

انہی اصولوں پر مزید غور کریں تو یہ بات بھی محتاج بیاں نہیں ہے کہ علوم وفنون سے ذرا اوپر فکر انسانی کی جڑیں بھی انسانی فطرت میں ہی پیوست ہیں۔فکر انسانی ــــــــــــــ کبھی اپنی پوری صلاحیتوں،قوتوں اور داعیات کو کام میں لا کر صحیح نتائج تک رسائی حاصل کر لیتی ہے اور انسانی مطلوب ومقصود نصب العین (IDEAL) کو پالیتی ہے اور بعض دفعہ غفلت،سستی،غلط سوچ کی وجہ سے صحیح نتائج نہیں نکال سکتا۔

ے گاہ میری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود

گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

اور انسان آسمان تک پہنچنے کی بجائے پھسل کر کھجور میں اٹک جاتا ہے اور غلط فہمی میں سمجھتا ہے کہ اس نے بھی بہت کچھ پالیا ہے۔

ے می شود پردۂ چشم پر کاہے گاہے

دیدہ ہر دو جہاں رابنگاہے گاہے

مروّجہ علم یا علم جدید جسے مادی اشیاء کا علم کہتے ہیں انسانی حواس (SENSES) کا مرہون منت ہے اسی وجہ سے علم بالحواس کہلاتا ہے۔دوسری طرف "حقیقت انسان نمبر" میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ انسان صرف حواس ہی پر مشتمل نہیں ہے حواس کے 'ادراک' سے بالاتر بھی کوئی چیز انسان کے اندر ہے ے

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

یہ 'ذوق تجلی' بھی مادی حقائق کی جستجو کی طرح ایک لامتناہی جستجو کا نام ہے اور اس کا میدان یقیناً مادی کائنات سے زیادہ وسیع وبیکراں ہے۔علم بالحواس اگر مادی اشیاء کا علم ہے تو دوسرا علم 'غیر مادی حقائق' کی تلاش، بحث وتمحیص اور 'وجدان' کا نام ہے اس علم کا تعلق قلب انسانی سے

ہے۔انسان کا ایک ظاہری اور مادی وجود ہے یعنی زندہ جسم اور دوسرا وجود انسان کا روحانی وجود ہے جوان جسمانی حواس سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ صرف قلبی احساس (PERCEPTION) کے ذریعے تسلیم کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے نظری سطح پر علم کی دو بدیہی قسمیں ہیں ایک جسمانی حواس سے اخذ کردہ علم اور دوسرے قلب اور فؤاد کے ذریعے حاصل کردہ علم۔

علم بالحواس تجرباتی اور عمرانی علوم

(ACQUIRED KNOWLEDGE)

علم بالحواس یا مادی اشیاء کا علم جو انسان کو بحیثیت انسان ودیعت کیا گیا ہے' اس علم کے حصول کے لئے چند اصول اور مبادی ہیں ان اصولوں کو جدید سائنسی علوم میں ترقی کی بنیاد (FOUNDNATION STONE) کا درجہ حاصل ہے۔ان بنیادی اصولوں میں سے چند یہ ہیں:۔

(i) یہ مادی کائنات جو حد نگاہ تک پھیلی ہوئی ہے اور اس میں طرح طرح کے بظاہر متعدد و مخالف عوامل کارفرما ہیں درحقیقت ایک ہی خالق و مالک کی تخلیق ہے اور اسی کی شان خلاقی کے مظہر ہیں یعنی توحید خالق (ONENESS OF CREATOR)۔

(ii) اس کائنات کی خالق ہستی لازوال ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی آج سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے بھی وہی اس کائنات کا خالق تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا اس کو زوال نہیں ہے اور اس کی شان خلاقی لامتناہی ہے۔

(iii) اس کائنات کا خالق و مالک بڑی پختہ اور محکم (MATURE) منصوبہ بندی کے ساتھ کائنات کا انتظام چلا رہا ہے اس کائنات کے نظام میں انسانی مزاج کی ناپختگی اور ناتجربہ کاری کی طرح غلطی کرو اور سیکھو (HIT & TRIAL) کا رنگ نظر نہیں آتا۔

(iv) اس کائنات کا خالق و مالک ایسا ماہر اور کامل خالق و مربی ہے کہ اس نے کائنات کے لئے جو اصول اور ضابطے بنائے ہیں اور جن کا ادراک انسانی تعقّل کے ذریعے ہوتا ہے' وہ اصول اور ضابطے غیر مبدل، حتمی اور دائمی ہیں۔اسی بنیاد پر سارے علوم (فزکس کیمسٹری وغیرہ) آگے بڑھ رہے ہیں۔اگر انسان کو ذرا سا بھی ان اصولوں میں شک ہو تو تجرباتی علم کی پیش رفت نہیں ہو

سکتی بلکہ اس شک کے ساتھ کسی علم کی بنیاد ہی نہیں رکھی جا سکتی۔

(v) اس کائنات میں انسان کے لئے کوئی 'سرحد' کا تصور نہیں ہے اور نہ کسی شعبۂ علم و تحقیق میں نظر آیا ہے کہ اس کے بعد اس شعبہ میں آگے نہیں جا سکتے یہ حقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کائنات انسان کی ذہن اور تخلیقی ترقی کے ساتھ ساتھ وسعت پذیر ہے یا EXPAND کر رہی ہے۔

اوپر درج شدہ چند اصول و مبادی ایسے ہیں جن کی بنیاد پر آج کسی ہمت ور انسان کو کائنات کے رازوں اور مادی اسباب و علل میں غوطہ زنی کا حوصلہ ہوتا ہے۔ ان اصول میں سے ایک یا ایک سے زیادہ کسی اصول کے بارے میں شک بھی ہو جائے تو انسان اس وادی میں قدم نہیں رکھے گا اور کوئی تحقیقی اور تخلیقی سرگرمی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔

سائنس اور سائنس دان اگرچہ اوپر درج حقائق کو زبان سے ماننے کو تیار نہیں ہیں' تاہم کائنات پر تحقیق و جستجو کے میدان میں یہ بدیہی اصول اتنے اٹل ہیں کہ دلائل و اخلاق کی سطح پر ان کے انکار کا کوئی جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔

علم بالقلب (وحی)

(REVEALED KNOWLEDGE)

علم بالحواس یا عمرانی و تجرباتی علوم کی طرح علم بالقلب (یا وحی کے ذریعے علم) کے حصول کے بھی چند بنیادی بدیہی مقتضیات ہیں۔ حقیقی طور پر تو ان بدیہی مقتضیات کا انکار ممکن نہیں ہے مگر ایک ایسے ماحول اور معاشرے میں جہاں دنیا پرستی کی وجہ سے انسان کے روحانی وجود ہی کا انکار ہو وہاں روح کے ذرائع علم اور اس کی بدیہیات پر گفتگو بے معنی شئے ہے اور ایسے حضرات کے حواس کے لئے نامانوس اور غیر معروف چیز۔

علم بالقلب (وحی کے ذریعے علم) کے حصول کے چند بدیہی مقتضیات درج ذیل ہیں:

(i) حقیقت انسان کے اعتبار سے انسان کے دو مستقل وجود ہیں جسم اور روح۔ جسم کے اپنے ذرائع علم ہیں اور روح کے علیحدہ مستقل ذرائع علم ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت کیے

گئے ہیں مثلاً کشف، الہام، وجدان INTUTION وغیرہ۔ اگر انسان ان ذرائع علم سے صحیح فائدہ اٹھائے تو رؤیائے صادقہ کے ذریعے بھی انسان کو علم اور رہنمائی میسر آتی ہیں۔

(ii) ممکن ہے کہ کسی انسان کے سارے ظاہری حواس کام نہ کرتے ہوں مثلاً کان خراب ہوں یا آنکھیں خراب ہوں یا ہاتھ نہ ہوں، تاہم اس کے باطنی ذرائع کارآمد (FUNCTIONAL) ضرور ہوں گے۔ دل کی آنکھیں اور ہیں اور ظاہری آنکھیں اور ؎

دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

(iii) ہر بچہ جو دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے وہ ایک ہی فاطر فطرت کی طرف سے آتا ہے لہٰذا ہر بچہ اپنے باطن (قلب) میں ایک خالق و مالک (اِلٰہ) کی معرفت اور اس سے محبت کا شدید جذبہ لے کر آتا ہے۔ یعنی معرفت خداوندی کی اساس فطرتِ انسانی میں موجود ہے۔

(iv) ہر انسان پیدائشی طور پر اپنے باطن (قلب) میں نیکی اور بدی کا ایک شعور لے کر آتا ہے اسے اخلاقی حس یا MORALLAW کہہ سکتے ہیں قرآن پاک میں اس کے لئے ارشاد ہے:

وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَ هَا وَ تَقْوٰهَا o (الشمس۔7-8)

''اور (قسم ہے) انسان کی اور اس کی جس نے اس کے اعضاء کو برابر کیا پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی''

(v) اس اخلاقی حس (MOROLALAW) ہی کا نتیجہ ہے کہ انسان کو یقیناً ایک محاسبہ اور ساری زندگی کا ایک حساب درپیش ہے جو اس دنیا میں تو جزوی طور پر ہوتا ہے ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جس کی اساسات اس دنیا سے مختلف ہوں تاکہ وہاں دلی کیفیات اور نیتیں بھی ظاہر ہو سکیں نیز مکمل عدل و انصاف کو یقینی بنایا جا سکے تاکہ اس دنیا میں انصاف کا خون کرنے والے عوامل حیثیت، سفارش، رشوت، دوستی، برادری ازم، دھونس اور دھاندلی وغیرہ اس انصاف کا راہ میں حائل نہ ہو سکیں اور انسان کو فقط اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت یا دوزخ کا حقدار بنایا جا سکے اور بلاخوف اس پر عمل درآمد بھی کرایا جا سکے۔

(vi) انسانوں میں مخصوص انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے خود اس قابل بنایا کہ وہ خالق کائنات سے براہِ راست (یا بذریعہ فرشتہ) حتمی اور معین رہنمائی حاصل کر سکیں ان معزز اور مقرب انسانوں

کو اللہ تعالیٰ نے ذہنی صلاحیتیں بھی بہت اعلیٰ عطا فرمائیں کہ وہ بادشاہ حقیقی خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ وحی کو سمجھ سکیں، اس کا ادراک کر سکیں، اس کی جزئیات کا تصور کر سکیں اور عملی منصوبہ بندی کر سکیں ان حضرات کو خالق کائنات نے قوائے عملی بھی ایسے اعلیٰ درجے کے عطا فرمائے تھے کہ وہ وحی کے مطابق عملی زندگی میں ہر سطح کے انسان کے لئے عملی نمونہ پیش کر سکیں اور مشکل اور خوفناک مراحل میں بھی رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکیں۔

یہ حضرات تاریخ انسانی میں انبیاء کرام اور رسول علیہم السلام کہلاتے ہیں اور انہوں نے خالق ارض وسماء کی طرف سے عطا کردہ وحی کو 'معلّم' کی حیثیت سے سمجھایا بھی، تبیین بھی کی اور عمل کر کے بھی دکھایا' انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی' فرد کی اصلاح سے لے کر ریاست کے قیام اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے کر کے عملی طور پر ایسی گواہی دی کہ اس کے بعد گواہی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

(vii) ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جو وحی عطا ہوئی تھی انہوں نے اس وحی کو جمع فرمایا اور قوم کے سامنے پیش کی۔ پہلے یہ صحیفے اور 'زُبر' تھے پھر کتاب کی شکل میں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید عطا ہوئے۔ ان میں سے صحیفے اور زبر تو بالکل محفوظ نہ رہ سکے جب کہ تورات، زبور اور نجیل بھی شریر انسانوں اور شیطانی ہتھکنڈوں کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں اور اصلی TEXT ضائع ہو گئے۔ بعد میں ان کتابوں کے ماننے والوں نے خود اپنی یادداشتوں سے ان کو جمع کیا جن میں رطب ویابس جمع ہو گیا ان میں کچھ باتیں حقیقی کتابوں کی بھی آ گئیں۔ آج انسانوں کی جمع کردہ یہ تورات، زبور اور انجیل کی کتابیں بائبل کے نام سے ملتی ہیں عہد نامہ عتیق *(OLD TESTAMENT)* میں تورات زبور اور چند دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا تذکرہ ہے جبکہ عہد نامہ جدید *(NEW TESTAMENT)* میں چار انجیلیں ہیں قرآن پاک میں ان کے بارے میں ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

(البقرۃ۔79)

''افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں (ذرائع) سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ

ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے''

(viii) یہ آسمانی کتابیں اپنے وقت میں تھیں پھر صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک آخری کتاب بھیج دی اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھیج دیا چونکہ حضرت محمد ﷺ اب آخری نبی اور رسول تھے لہٰذا اس قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت میں لے لیا

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر-9)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہے''

تا کہ رہتی دنیا تک خالق کائنات کی عطا کردہ آخری ہدایت (LAST TESTAMENT) روئے ارضی پر موجود رہے۔

(ix) ختم نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر ایک درجے میں اعتماد تھا کہ اب روزمرہ (DAY TO DAY) ہدایت (GUIDNCE) کی ضرورت نہیں انسان کو تہذیبی وتمدنی ارتقاء سے اتنا شعور آ گیا اور تجرباتی علم بھی اتنا حاصل ہوگیا کہ وہ اب اس قرآن کی روشنی میں مستقبل میں پیش آمدہ ہر قسم کے مسائل ومشکلات کا حل نکال سکے۔

(x) یہ آسمانی ہدایت انسانوں کی ناگزیر رہنمائی کے لئے ایک نعمت ہے اور انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے لہٰذا ــــــــــــ یہ آسمانی ہدایت اور وحی انسان کے لئے اتمام حجت کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ انسانی محاسبہ جو ایک دوسری دنیا میں انسان کو دوبارہ زندہ کر کے ہونے والا ہے انسان اس کی تیاری کر سکے۔ اس آخری آسمانی ہدایت سے اعراض اور اس کی ناقدری آج کے انسان کی زندگی میں RETARTED GROWTH اور PERVERTED PERSONALITY کا باعث ہوسکتی ہے جس سے انسان بحیثیت انسان اپنے مقصد زندگی کو پہچان نہیں سکتا۔

زندگی کے سفر میں علم بالقلب (وحی) کے حوالے سے دو ممکنہ صورتیں

انسان کے جسمانی قُویٰ اور حواس صحیح ہوں اور اس کی باطنی کیفیات (روحانی شخصیت) بھی صحت منداور بیدار ہوں یعنی ایک عاقل بالغ شخص جس کے ہوش وحواس قائم ہوں اور وہ باضمیر بھی ہو، حصولِ علم کے لئے اپنے حواس اور دل سے ایسا کام لے گا اور حسی تجربات

اور باطنی یا مذہبی تجربات (RELIGIOUS EXPERIENCE) کی ایسی تشریح کرے گا جو اس کے جملہ ذہنی سوالات کا تسلی بخش جواب بن جائے گی اور پوری زندگی ایک وحدت (ORGANIC WHOLE) کے طور پر آگے بڑھے گی، ایسے شخص کو اپنی عملی زندگی میں ایک اطمینان قلب اور دماغی سکون (PEACE OF MIND) حاصل ہوگا، جو اس زندگی میں ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی شئے ہے اس کا قلب زندہ ہوگا یا اس کا قلب 'جاری' ہوگا وہ حقیقی معنی میں 'زندہ دل' ہوگا باضمیر اور روشن ضمیر ہوگا اس کے خاکی پیکر میں حسن کردار کی صورت میں نور فطرت کی جھلک نظر آ رہی ہوگی۔ بصورت دیگر ــــــــــــ اگر انسان جسمانی طور پر صحت مند نہیں ہے یا اس کے حواس کام کرنے سے قاصر ہیں یا دماغی حالت درست نہیں اسی طرح جسمانی حالت صحیح اور حواس درست ہیں دماغی کیفیت بھی نارمل ہے' تاہم قلبی کیفیات اور اس کی بدیہیات سے کلی طور پر یا جزوی طور پر انکار ہے یا مسلسل اعراض اور ضمیر کی خلاف ورزی ہے تو یہ انسان اپنے لیے تجرباتی علم اور باطنی اور قلبی کیفیات (قلبی واردات) کی ایسی تشریح کرے گا جو زندگی کے معاملات کو الجھا کر رکھ دے گی، زندگی میں دین و دنیا کی تقسیم ہو جائے گی، نیکی و بدی کے تصورات بدل جائیں گے، توحید آخرت وحی اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں نقطۂ نظر بدل جائے گا انکار کی کیفیت ہوگی یا اقرار مع الانکار (جیسا کہ آج کل بہت سے کلمہ گو مسلمانوں کی ہے) کی صورت حال سے دوچار ہوگا زندگی عملی اعتبار سے کئی خانوں میں تقسیم ہو جائے گی اور انسان کے کئی چہرے بن جائیں گے دفتر میں کھیل کے میدان میں عبادت گاہ میں گھر میں دوستوں می انسان کی شخصیت کے مختلف روپ نظر آئیں گے یہ کیفیت ایک صحت مند جسم اور صحت مند قلب کے ساتھ کسی انسان کی نہیں ہو سکتی بقول اقبال

ع مذہب زندہ دلاں خواب پریشانے نیست

الغرض علم بالقلب سے استفادہ نہ کرنے یا بعض عوامل کی وجہ سے استفادہ نہ کر سکنے یا اس علم بالقلب کی افادیت سے انکار کی روش کی وجہ سے انسان ــــــــــــ انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز نہیں رہے گا۔ اس کی ذہنی فکر پراگندہ اور خیالات 'ایک پریشان خواب' کی طرح انمل بے جوڑ (IRRATIONAL) اور غیر منطقی (ILLOGICAL) بن کر رہ جائیں گے۔

اوپر درج شدہ پہلی صورت ایک مطلوب صورت ہے اور مثالی انسان (IDEAL) کی کامل تصویر۔ جب کہ دوسری صورت ایک ایسے انسان کی ہے جو انسانیت کے مقام ارفع سے گر کر اب 'حیوان' بن گیا ہے، اس کا باطنی وجود ختم ہو گیا ضمیر مر گیا ہے اور 'روح' کی گرفت قلب پر باقی نہیں رہی جس سے آئینہ قلب میں صرف جسمانی تقاضے اور سفلی خواہشات کا دور دورہ ہے اور اس کا باطن دنیاوی اور حیوانی خواہشات کا 'رہن بسیرا' ہے۔

پہلی صورت میں انسان یک سو، مطمئن اور اپنے مشن میں منہمک نظر آتا ہے (DYNAMIC) اسی تحریک (DYNAMISM) کو قرآنی اصطلاح میں حقیقی 'جہاد' کہتے ہیں۔ یہ شخصیت 'نرم دم گفتگو' اور 'گرم دم جستجو' کا پیکر نظر آئے گی، یہ شخصیت ایک مثالی انسان قرآن کا انسان مطلوب، عباد الرحمٰن میں ایک عبد، مسلمین میں ایک مسلم، مومنین میں سے مومن، اقبال کے مرد مؤمن شاہین کی شخصیت نظر آئے گی عمل صالح اس کا طرز زندگی ہوگا اور علم بالقلب کی آخری اور حتمی صورت 'وحی' نبوت سے استفادے کے لئے تیار اور مستقل اور منتظر ہوگا۔

جب کہ دوسری صورت میں انسان کی شخصیت علم بالحواس اور علم بالقلب کے درمیان کشاکش کا منظر پیش کرے گی ایسا انسان بقول غالب ''کعبہ میرے آگے ہے، کلیسا میرے پیچھے اور ایمان مجھے کھینچے ہے تو روکے ہے مجھے کفر'' کا پیکر نظر آئے گا، اس کی شخصیت داخلی طور پر ایک منقسم شخصیت (DIVIDED PERSO NALITY) ہو گی اور ایسا انسان کسی بات میں یکسو اور مطمئن نہیں ہوگا نہ زندگی میں اصول پرستی اور کردار کی روشنی ہو گی انسان باطن میں ایک طرح سے مجرمانہ کیفیت (GUILTY SONSCIOUS) محسوس کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ــــــــــــ انسانی فطرت جو آگے بڑھنے کا ایک فطری داعیہ رکھتی ہے اس کے مزاج میں کئی تبدیلیاں پیدا کر دے گی۔

موجودہ مغربی تہذیب کے خدوخال

ڈاکٹر عبدالسمیع

RELIGIONاور سیکولرازم کی وضاحت

انگریزی کے لفظ ''RELIGION ''جس کا بالعموم ترجمہ مذہب کیا جاتا ہے، کی تعریف آکسفورڈ ڈکشنری میں کچھ یوں ہے:

"BELIEF IN THE EXISTENCE OF A SUPER RULING POWER,THE CREATOR AND NATURAL CONTROLLER OF THE UNIVERSE,WHO HAS GIVEN MAN A SPIRITUAL NATURE, WHICH CONTINUES TO EXIST AFTER DEATH OF THE BODY; A COURSE OF ACTION OR A PRACTICE REGARDED AS THE RULING PASSION OF ONE'S IFE.1960"

''اس کائنات کو پیدا کرنے اور اس کو کنٹرول کرنے والی ایک مافوق الفطرت قوت قاہرہ کی موجودگی کو تسلیم کرنا جس نے انسان کو ایک ایسا روحانی وجود بخشا ہے جو اس کی (جسمانی) موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے؛ ایک ایسا لائحہ عمل جس کو کسی فرد کی زندگی کا فیصلہ کن جذبہ قرار دیا جا سکے۔''

آکسفورڈ ڈکشنری کے ایک بعد کے ایڈیشن میں الفاظ کچھ یوں ہیں:

"PARTICULAR SYSTEM OF FAITH AND WORSHIP BASED ON RELIGIUS BELIEF; CONTROLLING

INFLUENCE OF ONE'S LIFE"

''مذہبی عقیدے پر مبنی عقائد وعبادات کا ایک نظام؛ کسی شخص کی زندگی کو کنٹرول کرنے والا اثر''

دلچسپ بات یہ ہے کہ "RELIGION" کی تعریف میں سے رفتہ رفتہ ''دین'' کے وسیع تر مفہوم کا نکالا جانا تو اظہر من الشّمس ہے ہی لیکن یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس کی ابتدائی تعریف میں بھی صرف ایک مافوق الفطرت ''قوۃ قاہرہ'' کو ماننے کا ذکر ہے جو ''اللہ'' بھی ہوسکتا ہے اور ایک اندھی بہری قوت "NATURE" بھی۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا "AS A PERSONIFIED BEIANG" اقرار تو اوّل روز سے "RELIGION" کی تعریف میں شامل نہیں ہے جب کہ اللہ ربُّ العزت کے وجود اور اس کو کائنات کا اور خود اپنا ''رب'' (LORD) ماننا اسلام کا بنیادی نظریہ ہے۔

سیکولرزام (SECULRISM)

سیکولرزام انگریزی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ کا مرکب ہے ایک SECULR (سیکولر) اور دوسرا ISM (ازم) آکسفورڈ ڈکشنری میں SECULR کے معنی ہیں "WORLD NOT SPIRITUAL" (یعنی دنیاوی، روحانی نہیں) "NOT RELATED TO RELIGION" (مذہب سے متعلق نہیں) اس کے برعکس SECULRISM کی تعریف آکسفورڈ ڈکشنری کے 1995 کے ایڈیشن میں کچھ یوں ہے:

"BELIEF THAT LAWS & EDUCATION SHOULD BE BASED ON FACTS & SCIENCE ETC, RATHER THAN RELIGION"

''یہ ماننا کہ قوانین اور تعلیم کی بنیاد مذہب کی بجائے حقائق اور سائنس پر ہونی چاہیے''

جبکہ سائنس؛ حقائق صرف انہی کو مانتی ہے جن کا وجود ''حواس خمسہ'' سے محسوس کیا جاسکے یعنی آنکھ سے دکھائی دے، کان سے سنا جائے، زبان سے چکھا جائے، ناک سے سونگھا جائے یا ہاتھ سے چھوا جائے۔ یا کم از کم ان حواس کے ذریعے اس کی تصدیق ہو جیسے "ELECTROMAGNETIC WAVES" (الیکٹرومیگنیٹک ویوز) کہ ان کا وجود ٹی وی آن کر کے یا فون کال ملا کر کنفرم کیا جاسکتا ہے۔

لفظ سیکولر بطور ADJECTIVE

عام استعمال میں جب لفظ ''سیکولر'' کسی اور لفظ کا سابقہ بن کر آتا ہے تو وہ SECULRISM ہی سے ADJECTIVE ہوتا ہے جیسے SECULAR WORLD (دنیا کے وہ حصے جو سیکولرزام کے نظریہ پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں) سیکولر نظریات، سیکولر ذہنیت اور سیکولر لوگ وغیرہ۔ سیکولرزام اور سیکولر نظریات وقتاً فوقتاً مختلف ناموں اور خوشنما عنوانات کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں مثلاً اعتدال پسندی، ترقی پسندی، ENLIGHTEND MODERATION اور ان کو اسلام کا سابقہ بنا کر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مثلاً ترقی پسند اسلام (MODERATE ASLAM) وغیرہ۔ دوسری طرف دین و مذہب کے بنیادی نظریات کو شعوری طور پر ماننے والوں اور ان کی پاسداری کرنے والوں پر قدامت پسند، انتہا پسند اور بنیاد پرست کی پھبتیاں چست کی جاتی رہی ہیں۔

چرچ اور ریاست کی علیحدگی

سیکولرازم اگرچہ بالعموم ''مذہبی اور سیاسی امور کو الگ الگ رکھنے'' کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے لیکن اس کی اصل تعریف کو سامنے رکھا جائے تو یہ اس کی ملمع کاری ہے۔ حقیقت میں سیکولرازم مذہب (RELIGION) کو سرے سے مانتا ہی نہیں کیونکہ مذہب (RELIGION) کی بنیاد ایک مافوق الفطرت طاقت کے وجود کو ماننا ہے، جبکہ سیکولرازم کسی بھی سُپر نیچرل طاقت، چیز یا ہستی کے وجود کا انکاری ہے۔ لہٰذا سیکولرازم بظاہر تو لوگوں کے مذہبی معاملات میں یہ کہہ کر مداخلت نہیں کرتا کہ RELIGION IS THE PRIVATE AFFAIR OF AN INDIVIDUAL (مذہب کسی فرد کا ذاتی معاملہ ہے) لیکن نظام تعلیم کی بنیاد "FACTS & SCIENCE" پر رکھ کر وہ نہ صرف مذہبی تعلیم کو نصاب سے خارج کر دیتا ہے بلکہ اپنے نظام تعلیم کے ذریعے سے وہ کسی کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتا کہ وہ اللہ کو مانے۔ رہے باقی مذہبی تصورات تو وہ تو ہیں ہی ایمان باللہ کے تابع۔ نتیجتاً کوئی تو کھلے الفاظ میں اللہ کا انکار کرتا ہے اور کوئی ڈھکے چھپے الفاظ میں، کوئی ''باغی'' فخریہ انداز میں کہتا ہے "I WAS BORN WITH NO RELIGION" اور کوئی ''دانشور'' حقارت سے مذہب پر پھبتی چست کرتا ہے "RELIGION

"IS THE OPIUM OF THE MASSES"۔

اِسی حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں بیان کیا ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

اور اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا ؎

یوں قتل سے لڑکوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اُدھر قرآن مجید اپنے ابتدائی تعارف میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ میں ان اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہوں جو غیب (UN-SEEN) کو مانتے ہیں، دوسری طرف سیکولرازم کے وضع کردہ نظام تعلیم میں پڑھ کر کوئی شخص غیب (UN-SEEN) کی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا، لہٰذا وہ مذہبی حقائق جیسے اللہ کے وجود، آخرت کے واقع ہونے، وحی کی صداقت اور رسالت پر یقین نہیں رکھتا وہ خواہ واضح الفاظ میں ان کا انکار نہ بھی کرے نیز خاندانی روایات کی بنیاد پر مذہبی عبادات اور رسومات پر عمل پیرا بھی ہو تب بھی اس کے دل میں ان کی حقیقت مفروضوں اور ثقافتی روایات سے زیادہ نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کا اصل ''ایمان'' تو "FACTS & SCIENCE" پر ہوتا ہے اور جب اللہ کے وجود ہی کا یقین نہ ہو تو اللہ سے ''ڈرنا'' کیسا؟۔

مغرب میں تجرباتی علوم کی تیز رفتار ترقی

تہذیب وثقافت کی تشکیل

مغرب میں اٹھارویں صدی تک جو علم کا خزانہ سائنس دانوں نے دنیا کے سامنے کھول دیا تو اہل دانش وبینش نے اس پر غور وفکر کر کے مابعد الطبعیات کے میدان میں سفر شروع کیا۔ مذہب سے دوری پہلے ہی پیدا ہو چکی تھی' خدا، وحی، آخرت، نبوت رسالت، فرشتے کے الفاظ اگرچہ لوگوں کے ذہنوں اور زبانوں پر تھے اور ڈکشنری میں موجود تھے مگر عملاً اس سے ذہنی بُعد پیدا

ہو چکا تھا اور معاشرہ ان اصطلاحات سے بیزار تھا، اس بیزاری کے نتیجے میں نئے نئے نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اور زندگی اور اس کے معاملات کی تشریح ہونے لگی، ایک نیا لائف سٹائل وجود میں آ گیا جو بعد میں مغربی طرز زندگی کہلایا، ایک روایتی اور مذہبی طرز زندگی تھا فرد، خاندان، برادری، رشتے، اخلاق وکردار، شرم و حیاء، عدل و انصاف، احترام جان، احترام مال، عفت وعصمت، آبرو۔ اب ایک بالکل انوکھا طرز زندگی سامنے آیا جس میں نہ خاندان کا تصور تھا نہ گھر کا' نہ خدا کا نہ آخرت کا' نہ وحی کا نہ حیات بعد الممات کا' نہ اخلاق کا نہ کردار کا۔ اگر تذکرہ تھا تو ہوٹل، نائٹ کلب، شوروم، کا تھا اور صرف ظلم دھونس دوسروں کے حقوق غضب کرنا عزتوں کی پامالی وغیرہ وغیرہ یہ تصور انیسویں صدی میں یورپ میں عام ہو چکا تھا اور بیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی مقبوضات میں بھی پھیل چکا تھا۔ اکبرالہ آباد مرحوم کے اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے ۔

؎ ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

دوسرا حصہ

احیاءالعلوم کیوں ضروری ہے؟

☆ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ
☆ بےخدا سائنس کے خلاف علامہ اقبال کی جنگ
☆ ماضی میں احیاءالعلوم کی تحریکیں
☆ مغربی ابلیسی نظام تعلیم اپنے ہاں رائج کرنے کے نتائج

اِقۡرَأۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ

حضرت محمد ﷺ

جس علم کے داعی تھے اور قرآن پاک میں جس علم کو 'علم' کہا گیا ہے کہ

"هَلۡ يَسۡتَوِی الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ" (الزمر۔9)

(بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں)

"اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا" (فاطر۔28)

(اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں)

وہ علم تو 610ء میں غارِ حرا میں پہلی وحی سے ہی ظاہر ہے پڑھو ——————

علم حاصل کرو لیکن اپنے اس رب (ربوبیت کرنے والے اللہ) کے نام سے جس نے پیدا فرمایا (آسمان زمین کائنات اور انسان کو بھی)۔

گویا —————— آج کے مغربی علم (جسے علم KNOWLEDGE کی بجائے معلومات INFOMATION کہنا زیادہ صحیح ہے) کو خدا شناس بنانے کے لئے اس میں رب اور خالق کے تصورات داخل کرنا ہوں ——————

اسی تبدیلی کا نام ہمارے نزدیک

احیاء العلوم

ہے

بے خدا سائنس کے خلاف

علامہ اقبال کی جنگ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

زمانہ جدید کے سائنسی علم کی بے خدائیت کے خلاف جس عظیم مفکر نے عہد حاضر میں سب سے پہلے اپنی آواز بلند کی وہ علامہ اقبالؒ ہی تھے۔ ان کے دردناک اور پرسوز اشعار میں یہ شعر بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے ؎

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے ؟ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

یعنی اے ساقی وہ کون ہے جس نے عشق الٰہی کی خاراشگاف تلوار کو چرالیا ہے (کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ) سائنسی علم کے ہاتھ میں خالی نیام ہی رہ گئی ہے (اور وہ تیغ جگردار غائب ہے) یہ کس نے اڑائی ہے؟۔

بعد ازاں کئی دیگر مفکرین نے بھی اس بات کو دوہرایا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر پی ساروکن بھی جو کہ ہارورڈ یونیورسٹی میں محکمہ عمرانیات کے چیئرمین رہ چکے ہیں اور جو مجلّہ کرسچین مانیٹر کے بقول ہمارے زمانے کے عظیم ترین حکمائے عمرانیات میں سے ایک ہیں' اپنی کتاب موسوم بہ ''ہمارے زمانے کا بحران'' میں رقم طراز ہیں:

> ''مذہب اور سائنس کے درمیان عہد حاضر میں زبردست تضاد و اختلاف دراصل غیر حقیقی اور غیر ضروری ہے چہ جائیکہ یہ تباہ کن بھی ہو۔ کسی موزوں نظریہ حقیقت صادقہ اور قدر صحیحہ کی روشنی میں مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور دونوں ایک ہی مقصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ حقیقتِ مطلق کو یوں بے نقاب کیا جائے کہ اس کی بدولت عظیم تر شرفِ انسانی ظہور میں آتا چلا جائے اور جلال خداوندی بھی تابندہ تر اور قوی تر ہوتا چلا جائے۔''

پروفیسر ساروکن کے یہ الفاظ علامہ اقبالؒ کے ان دو اشعار کا قریب قریب ترجمہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔

وہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام　　وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسماء
مقامِ فکر ہے پیمایشِ زمان و مکاں　　مقامِ ذکر ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

یہ تو صرف اس شخص کی تلاش حق کی دو منزلیں ہیں جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ قادر مطلق خدا نے اس کو جملہ اسماء کا علم عطا کر دیا تھا۔ سائنس کی منزل کا تعلق زمان و مکان کی سیاحت و پیمایش کے ساتھ ہے اور عبادت کی منزل کا تعلق اِس عرفان و اعتراف حقیقت کے ساتھ ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پاک و برتر ہے میرا ہی رب عالی!

اقبالؒ نے اپنی تالیف تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (شش خطبات) میں فرمایا ہے کہ:

''ایک سائنس دان کا عمل جو فطرت کے مشاہدہ و مطالعہ میں مصروف منہمک ہے، ایک عابد کے عمل سے مختلف نہیں ہے، کیونکہ دونوں ایک ہی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہیں''۔

اقبالؒ کا وہ شعر جو اس مقالہ کے پہلے فقرہ کے آغاز میں نقل کیا گیا ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک عشق الٰہی کی تلوار کا اصلی اور موزوں ترین مقام سائنسی علم کی نیام کے اندر ہی تھا مگر اس کو بعد میں سرقہ کر لیا گیا ہے۔ یہاں اقبالؒ اس امر واقع کا حوالہ دے رہے ہیں جو کہ زمانہ مابعد سے لے کر اب تک بالکل اظہر من الشّمس ہو چکا ہے اور جس کے لئے ہم جناب سارٹن اور برفالٹ کی ان تحریروں کے ممنون احسان ہیں کہ ''سب سے پہلے مسلمانان ہسپانیہ نے ہی سائنس کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور انہوں نے ہی جدید سائنس کا سنگ بنیاد رکھا تھا''۔ اس سلسلے میں برفالٹ لکھتا ہے:

''ہماری سائنس پر عربوں کی سائنس کا صرف یہ بار احسان ہی نہیں کہ انقلابی نظریات کی خیرہ کن ایجادات و اختراعات ظہور میں ہوئیں بلکہ ہماری سائنس تو تمدن عرب کے اس سے بھی زیادہ گراں قدر احسانات کی ممنون ہے یہاں تک کہ ہم نے اپنی زندگی بھی تمدن عرب سے ہی حاصل کی تھی زمانہ قدیم جیسا کہ ہم جانتے ہیں دراصل

زمانہ ماقبل سائنس تھا، یونانی فلکیات اور ریاضیات بھی دراصل غیر ملکی درآمدات تھیں، جن پر اہل یونان نے کبھی اپنے پورے تملک اور تسلط کا استحقاق نہیں جتایا تھا۔ دنیا کے ان اولین اور بنیادی سائنس دانوں کی سائنس کا سنگ بنیاد دراصل خدا کا یہ تصور تھا کہ وہ خالق حقیقی ہے جس کی ہستی اور جس کی صفات خود نظارہ فطرت اور مشاہدہ فطرت کے اندر ہی جلوہ گر ہے۔ درحقیقت عربوں کا یہ تصورِ خدا ہی تھا جس نے سائنس کو دائرۂ امکان میں داخل کیا تھا''۔ جیسا کہ ہمایوں کبیر معروف ہندی فلاسفر نے جو کہ ماضی قریب تک ہندوستانی کابینہ کے ممبر تھے' اپنی کتاب موسوم بہ ''سائنس، جمہوریت اور اسلام'' میں لکھا ہے:

''ایک خدا کا مطلب، ایک کائنات، لہٰذا ایک ہی قانون تھا۔ توحید خداوندی کا عقیدہ ہی سائنس کے ظہور کی شرط اوّل تھا۔ وحدت خداوندی پر اسلام کا زور اس کے سائنٹفک نقطہ نظر کی بنیاد تھا''۔

جب مسلمانوں کو ہسپانیہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تو سائنس ان لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جن کو اہل یورپ متبعین پال کہتے تھے اور جن کو عام طور پر ماڈرن عیسائی بھی کہا جاتا ہے۔ مسلم سائنس دانوں کے عیسائی مقلدین کا مقدر شاید یہی تھا کہ وہ انسانیت کی بدترین مخالفت اور بدخدمتی کا ارتکاب کریں جس کی مثال دنیا بھر میں کسی دوسرے انسانی گروہ میں ناپید ہو، حالانکہ مذکورہ گروہ کو علم میں دلچسپی رکھنے کا دعویٰ بھی تھا۔ عقیدہ عیسائیت کی روایات کے زیر اثر جو انسانی زندگی کو دو الگ الگ قیاسی حصوں میں منقسم کرتی ہیں یعنی مذہبی اور دنیاوی، روحانی اور مادی، مقدس اور پلید حصص۔ یوں ان لوگوں نے خدا کے تصور کو سائنس سے الگ تھلگ کر ڈالا کیونکہ سائنس کو انہوں نے اپنے ذہنی مطالعے کی بنا پر سراسر دنیاوی چیز قرار دے دیا تھا جس کا تعلق مادی دنیا کے مطالعہ و مشاہدہ کے ساتھ تھا۔ دراصل یہ ایک غیر معقول کوشش تھی جس نے زندگی کی کلیت میں تفرقہ اندازی کا بیج بویا' جس کے باعث حقیقت واحدہ کو دو ایسے متضاد حصوں میں منقسم کر دیا گیا جن کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو۔ تاہم سائنس کی ''بے خدائیت'' کا عقیدہ جو کہ عیسائیت کی مقتضیات سے بطریق بالا پیدا ہوا تھا دنیائے عیسائیت میں قائم رہنے کے لئے عرض وجود میں

آ گیا۔اس تفریق کو مزید تقویت وحمایت چرچ اور سٹیٹ کی علیحدگی سے ملی ہے جبکہ یہ علیحدگی ان دونوں کی اس تلخ اور طویل مناقشت کے نتیجے میں روبہ عمل آ گئی، جس کے دوران چرچ نے نہایت ہی بے رحمی اور سنگ دلی کے ساتھ کئی سائنس دانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اندریں حالات صرف اسی قسم کے نظریاتِ سائنس کو ہی فروغ مل سکتا تھا جو کہ چرچ کے عین مطابق ہوں اور جن کو چرچ کی حمایت میں ایک قسم کی شہادت ثابت کرنا آسان متصور ہو سکتا تھا۔اس قسم کے نظریات میں انیسویں صدی کے مادی اور میکانکی نظریے شامل تھے اور ڈارون کا نظریہ ارتقاء بھی اس زمرہ میں داخل تھا جس کی رو سے فطرت میں کسی تخلیقی اور ہادیانہ قوت کی ضرورت ہی باقی نہ رہ جاتی تھی۔نتیجتاً وجود خداوندی کی ضرورت بھی مفقود تھی؛ لہٰذا دنیا بہت جلد اس بات کو بھول گئی کہ سائنس میں نظریہ بے خدائیت کو عیسائیت نے ہی جنم دیا تھا اور بعد ازاں دنیا یہ خیال کرنے لگ گئی کہ اصل میں بے خدائیت کا تقاضا خود سائنس نے ہی کیا تھا۔عیسائی اہل مغرب اپنے سائنسی علم کو بڑی شدت واحتیاط کے ساتھ ان راستوں سے بچا بچا کر رکھتے تھے جو تصور خدا کی طرف جاتے تھے اور وہ سائنس کو ہر قیمت پر ان حدود کے اندر مقید رکھتے تھے جو انہوں نے سائنس کے بارے میں اپنے عقیدہ بے خدائیت کی رو سے مقرر کر رکھی تھیں۔نتیجتاً وہ اس ذہنی اور تخلیقی سرگرمی کی شہادت کو نظر انداز کر دیتے تھے جو مظاہر فطرت میں فی الواقع توازن، نظم وضبط نظام، منصوبہ بندی، قصد، ارادہ، اختیار، ریاضیاتی فکر، ارتقائی تحریک وجذبہ، خود بخود نشو ونمو، اعلیٰ سے اعلیٰ تر تعمیل وپیچیدگی کے مراحل کی صورت میں ہمارے مشاہدے میں ہوتی رہتی ہے یا پھر جس شہادت کا ہم کلیت، وحدت، یکسانیت، مقصدیت، ارادیت، تنظیم وترتیب، تطابق اشتراک و تعامل، انتخاب واختیار وغیرہ کی شکل وصورت میں مسلسل وپیہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔مگر یہ سائنس دان اپنے عقیدہ بے خدائیت کی بنا پر ان تمام صورتوں کی تشریح وتوضیح نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ جب یہ شہادت چاروں طرف سے ان کو گھیر لیتی تو پھر بھی وہ اس کی تشریح کے لئے اس قسم کے مابعد الطبیعیاتی نظریے ایجاد کرتے ہیں جیسا کہ سر جیمز جینز کا نظریہ ریاضیاتی ذہن یا برگسان کا ولولہ حیات یا ڈریش کی آرزوئے تکمیل وغیرہ وغیرہ۔

یہ لوگ تصور خدا سے کبھی استفادہ نہیں کرتے، لیکن اس قسم کی تشریحات بمشکل ہی

مناسب وکافی یا تسلی بخش ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ ''ریاضیاتی تفکر''۔ ''طبیعاتی مظاہر کی صناعی'' جاندار خلیے کی تیاری اور زندگی کی دوڑ جو اعلیٰ سے اعلیٰ تر مراحل تکمیل و پیچیدگی کی طرف جاری و ساری ہے اور جو ان تصورات و نظریات میں بالترتیب مضمر ہے اس کی صفات و خصوصیات صرف اسی کامل و مکمل شخصیت سے پائی جاسکتی ہیں جس میں شخصیت کے جملہ عناصر و اجزائے خصوصی اور صفات موجود ہوں یعنی عقلی، اخلاقی، جمالیاتی، تخلیقی اور جذباتی خواص جن سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ ایسی کامل و مکمل شخصیت خدا کے بغیر کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔

اگرچہ بے خدا سائنس یہ نہیں کہتی کہ ''کوئی خدا موجود نہیں ہے'' پھر بھی یہ اس واحد ماخذ کے آگے ایک دیوار کھینچ کر کھڑی کر دیتی ہے جس سے علم کی روشنی اور عشق الٰہی کی روشنی انسان کو ملتی ہے یعنی فطرت کا مشاہدہ و مطالعہ کرنے کا شعور اور فطرت سے سروکار رکھنے کی سکت پیدا ہوتی ہے کیا یہ بات عقیدہ بے خدائیت کے ساتھ ممکن ہے۔

اقبال نے فرمایا ہے کہ: ع علم حق اول حواس آخر حضور

''خدا کا عرفان سب سے پہلے حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور پھر کہیں جا کر بعد میں مراقبہ و غور و فکر کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے''

اس طرح بے خدا سائنس پہلے اپنے شکار کو یوں سوچنے اور عمل کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ گویا خدا موجود نہیں ہے یہ تو صاف انکار خدا سے بھی بدتر ہے؛ کیونکہ صاف انکار خدا میں تردید کا سامنا کرنا پڑتا ہے (جس سے سائنس صاف بچ نکلتی ہے) یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس نے آدم اور کائنات کے بے خدا فلسفوں کو جنم دیا ہے۔ مثلاً ڈارونیت، مارکسیت، فرائڈزم (فرائڈیئت)، ایڈلرزم (ایڈلریت) تجربیت، منطقی اثباتیت اور انسان دوستی کا عقیدہ وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے تو سائنس نے انسانی طبیعت اور انسانی سرگرمیوں کے بے خدا فلسفے پیدا کیے ہیں' بے خدا اخلاقیات، بے خدا سیاسیات، بے خدا معاشیات، بے خدا قانونیات، بے خدا فلسفہ تعلیم، بے خدا فلسفہ تاریخ اور بے خدا نفسیات فرد و اجتماع۔ یہ سب فلسفے مجبوراً انسانی طبع کی اہم ترین حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ انسان کی جملہ عملی سرگرمی کی تحریک محض اپنے کسی نصب العین کے حصول کی خاطر پیدا ہوتی ہے جو کہ سب سے زیادہ کامل اور جمالیاتی نصب العین کے ذریعے ہی تسکین پاسکتی

ہے اور یہ کامل جمال وکمال صرف خدا کی ذات میں ہی اور بہت ہوسکتا ہے، لہٰذا سائنس کی بے خدائیت کوئی معمولی سادہ اور بے ضرر کتابی تبدیلی ہرگز نہیں ہے' یہ تو بدترین بڑی تبدیلی ہے جس سے بنی نوع انسان کے رجحانات اور اطوار ومیلانات متأثر ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ ہی ان کے اقدار، پیمانہ جات، نظریات، امیدیں اور ہمتیں، اغراض ومقاصد یکسر بدل جاتے ہیں؛ لہٰذا یہ بدترین تبدیلی بنی نوع انسان کے اعمال وتحریکات کو متاثر کرتی ہے۔ انسان کچھ اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق ہی عمل پیرا ہوسکتا ہے اگر اس کے خیالات ہی دہریانہ اور بے خدا ہوں گے تو پھر اس کے اعمال بھی غیر خدا اندیش اور کافرانہ ہی ہوں گے؛ لہٰذا سائنس کی بے خدائیت انسانی سرگرمیوں میں ایک عظیم تبدیلی ہے جس کی وجہ سے فی الواقع تاریخ کا دھارا بدل گیا ہے اس کی وجہ سے دنیا میں کوئی عالمگیر اور یکساں یا روحانی قوت باقی نہیں رہ گئی جو انسانوں کو اندر سے کنٹرول کرے اور ہدایت کا بندوبست کر سکے۔

یہی ایک وجہ ہے جس کی روشنی میں ہم جدید دنیا کی انسانی سوسائٹی کی خصوصی بدقسمتیوں اور پریشان حالیوں کی تشریح کر سکتے ہیں۔ کبھی نہ ختم ہونے والی عالمگیر جنگیں جو سائنٹفک مہلک ہتھیاروں کے ساتھ لڑی گئیں جن سے عوام موج در موج مارے گئے اور جب ایک جنگ تھمی تو سرد جنگ کا واقعہ درپیش آیا جس میں زیادہ زور شور کے ساتھ اگلی جنگوں کی تیاری شروع کر دی گئی۔ بین الاقوامی اخلاق کی عدم موجودگی، سیاست دانوں کے جھوٹ اور دھوکے جو سیاسی اموات پر منتج ہوتے ہیں اور جن سے مختلف ممالک میں یکے بعد دیگرے شورشیں پیدا ہوتی ہیں' اطمینان قلب کا فقدان آج اقتصادی خوشحالی بھی موجود ہے جس سے نفسیاتی امراض پیدا ہوتے ہیں، جرائم کی رفتار تیز تر ہوتی ہے، خودکشیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

آئے دن کی بڑھتی ہوئی قبل از بلوغت جنسی بے راہ روی اور شادی شدہ جوڑوں کی بے وفائی بداخلاقی اور بدتمیزی جو ہر روز ہولناک رفتار اور خوفناک تناسب سے مزید بڑھتی اور پھیلتی چلی جارہی ہے' علم کے تقدس کا احساس اور استاد کا ادب ناپید ہورہا ہے جس کے نتیجے میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں امن وامان اور نظم وضبط برباد ہورہا ہے' بے خدا سائنس نے ہر جدید کالج کو ایسے انسانوں کی تربیت گاہ (نرسری) بنادیا ہے جو خدا اور اخلاق دونوں پر ہنستے ہیں اور ان دونوں کا برابر

کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ تو ہر اچھائی، جمال، حق، نیکی اور خوبی کو قتل کرنے کے برابر ہے اکبرالہ آبادی مرحوم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

(فرعون بچوں کے قتل کے الزام سے صاف بچ نکلتا، مگر افسوس ہے کہ اسے کالجوں کے ادارے کھولنے کی تجویز نہ سوجھ سکی)

ایسے ہی حقائق و واقعات کی بنا پر علامہ اقبالؒ نے سائنس کی بے خدائیت کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی ؎

علم بے عشق است از طاغوتیاں　　علم با عشق است از لاہوتیاں

(بے خدا سائنس کو شیطان کے شاگردوں نے پیدا کیا ہے، مگر جو علم خدا کے تصور پر قائم ہو وہ پاک فرشتوں کی تخلیق ہوتا ہے) ؎

علم کو از عشق برخوردار نیست　　جز تماشا خانہ گفتار نیست

(بے خدا سائنس لفظوں کی تماشا گری (شعبدہ بازی) کے سوا کچھ بھی نہیں ہے)

یہاں یہ ذکر کر دینا بے ربط نہ ہوگا کہ علامہ اقبالؒ نے خود اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے علم کو عموماً اس علم کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو حواس کی مدد سے حاصل کیا گیا ہے اور یہی سائنس ہے۔ اقبال نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جو حواس پر مبنی ہے، میں نے عموماً علم کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے اس قسم کے علم سے ہمیں فطرت کی قوتوں پر قدرت و قبضہ حاصل ہو جاتا ہے اور ہمارے اس قبضہ و قدرت کو مذہب کے تابع فرمان رہنا چاہیے ورنہ یہ شیطنیت ہوگی''۔

اقبال کے بقول اگر سائنس تصور خدا پر مبنی ہو تو یہ اپنی ترقی و فروغ کی منزلوں میں اپنے آپ کی اصلاح کر لینے کے قابل بھی ہو جائے گی۔ مگر بے خدا سائنس میں یہ صفت و قوت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اس ہدایت کی روشنی سے محروم ہو جاتی ہے جو تصور خدا سے پیدا ہوتی ہے ؎

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم　　کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم

وہ علم بے بصری جس میں ہم کنار نہیں　　تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم

(وہ سائنس کا علم جو عشق الٰہی کے ساتھ ہو وہ بالعمل اپنے بتوں کا آپ ابراہیم بن جاتا ہے اور اپنے نتائج کی اصلاح کرسکتا ہے۔ لیکن وہ دوسرا علم محض اندھا پن ہے جس میں سائنسدانوں کے مشاہدات کے ساتھ تجلیٔ موسیٰ علیہ السلام کا ظہور نہ ہو)

علامہ اقبالؒ نے تصور خدا کو سائنس کے ساتھ متحد و واصل کرنے کی ضرورت پر بڑا زور دیا ہے اور ایک مکالمہ بصورت نظم لکھا ہے جو زیرکی اور عشق کے درمیان یعنی سائنس اور حب الٰہی کے درمیان مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمایئے:۔

نگاہم راز دار ہفت و چار است　　گرفتارِ کمندم روزگار است
جہاں بینم بایں سُو باز کردند　　مرا با آنسوئے گردوں چہ کار است
چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم　　بہ بازار افگنم رازے کہ دارم

1۔ میں سات آسمانوں اور چار عناصر کے رازوں سے آگاہ ہوں (یعنی زمین و آسمان کے رازوں کا علم رکھتا ہوں) تمام زمانوں کے واقعات اور ہنگامے میری گرفت میں ہیں۔

2۔ میری نظر اور بصیرت اس مادی دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے تھی مجھے اس دنیا سے کیا سروکار جو کہیں آسمانوں کے اس پار ہے۔

3۔ اس ساز اور باجے میں جو میرے قبضے میں ہے، ہر طرح کے راگ اور نغمے پوشیدہ ہیں، میں ان رازوں کو عام لوگوں کے سامنے برسر بازار بیان کردیتا ہوں جو میرے علم میں آجاتے ہیں۔

عشق کا جواب ملاحظہ فرمایئے:۔

نہ افسونِ تو دریا شعلہ زار است　　ہوا آتش گزار و زہر دار است
چو با من یار بودی نور بودی　　بُریدی از من و نور تو نار است
نجلوت خانۂ لاہوت زادی　　ولیکن در رنخ شیطان فتادی
بیا ایں خاکداں را گلستاں ساز　　تہ گردوں بہشت جاوداں ساز
بیا یک ذرہ از درد دلم گیر　　جہان پیر را دیگر جواں ساز

ز روز آ فرینش ہمدم استیم ہماں یک نغمہ راز یر و بم استیم

مجھے اعتراف ہے کہ تیرے پاس جادو کی قوتیں ہیں مگر تو نے مجھ سے دور ہو کر دنیا کو دوزخ بنا ڈالا ہے، تو نے دریاؤں اور سمندروں میں آگ لگادی ہے (جنگی جہازوں سے بمباری کا حوالہ) اور فضا میں بھی آگ اور زہر کو پھیلا دیا ہے (ہوائی جہازوں سے بمباری و زہریلی گیس پھینکنے کی طرف اشارہ)۔ جب تک تو میری طرف دوستانہ نگاہ رکھتا تھا اس وقت تک تو ایک روشنی کی مثال تھا اور اب جبکہ تو مجھ سے کٹ چکا ہے تو آگ بن گیا ہے۔ میری طرح تو بھی روحانی دنیا کے طبقات میں پیدا ہوا تھا مگر اب تو شیطان کا شکار بن چکا ہے۔ آ کہ ہم دونوں مل کر اس دنیا کو بہشت بنا دیں۔ میرے درد دل کا ایک ذرہ لے لے اور اس قدیم بوڑھی ہوتی ہوئی دنیا کو پھر سے جواں سال بنا دے۔ کیونکہ ہم دونوں روز ازل سے دوست چلے آتے ہیں اور ہم دونوں ایک ہی نغمہ کے زیر و بم ہیں۔

علامہ اقبالؒ یہیں نہیں رک جاتے چونکہ انہیں یقین واثق ہے کہ زیر کی یعنی سائنس کے ساتھ تصور خدا کے اتحاد اور وصل سے ایک جدید عالمگیر ذہنی و عقلی انقلاب برپا ہوگا لہٰذا وہ مسلمانوں کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ سائنس کے ساتھ تصور خدا کا اتحاد پیدا کر کے دنیا میں اس انقلاب کو برپا کر دیں۔ ؎

غربیاں راز یر کی راز حیات شرقیاں را عشق رمز کائنات
زیر کی از عشق گردد حق شناس کار عشق از زیر کی محکم اساس
عشق چوں با زیر کی ہمبر بود نقش بند عالم دیگر بود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ عشق را با زیر آمیز دِہ

1۔ مغربیوں کے لئے سائنس ہی حسن و جمال حیات ہے، شرقیوں کے لئے عشق الٰہی راز حیات ہے۔

2۔ سائنس عشق کی بدولت اسرار حیات سے آگاہ ہوتی ہے، جبکہ عشق الٰہی کے کاروبار میں سائنس کے ذریعے مستحکم بنیاد میسر آتی ہے۔

3۔ جب عشق الٰہی سائنس کے ساتھ واصل و متحد ہو جاتا ہے تو زندگی کا نیا نظام معرض وجود

میں آ جاتا ہے۔

4۔ اے مسلم؟ اٹھ بیدار ہو، اور سائنس کو عشق الٰہی سے متحد کر کے ایک نیا نظام جہاں پیدا کر کے دکھا دے۔

اس امر کی نا قابل تشکیک اور قطعی شہادت موجود ہے کہ ہمارے نظریہ ونصب العین میں ایسی ایسی طاقتیں پوشیدہ ہیں کہ ہم ان کی بدولت سائنس کو تصور خدا کے ساتھ متحد اور واصل کر دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یوں اس جدید عالمی نظام کو برپا کر سکتے ہیں جس کی پیش گوئی علامہ اقبالؒ نے کی ہے۔ تمت بالخیر (ترجمہ: چودھری نبی احمد)

ماضی میں احیاء العلوم کی تحریکیں

آج کی مغرب کی بالادستی کا نتیجہ ہے کہ مغرب دنیا کے نقشے پر تمام اہم ممالک کے نظام تعلیم کو کنٹرول کر کے اپنے حیوانی، ملحدانہ اور ظالمانہ افکار کو ہر قوم کے ذہین عناصر تک عام کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور GIVE THE DEVIL HIS DUE کے مصداق وہ اس منصوبہ میں حیرت انگیز حد تک کامیاب ہے۔ باقی مذاہب اور تہذیبوں کے نظام تعلیم کے کارپرداز ان کیا سوچ رہے ہیں؟ ان کے عزائم کیا ہیں؟ وہ اپنے مذہبی ورثہ کو نظام تعلیم کے بدل جانے کے بعد ضائع ہونے سے بچانے کا کیا پروگرام رکھتے ہیں یہ بات اتنی عام نہیں ہے اور غالباً اس تبدیلی نظام تعلیم کے سانحہ کا اکثر ملکوں میں احساس بھی نہیں ہے۔

صرف اسلام کے علمبرداران اور مسلم تہذیب کے مراکز میں آج سے نہیں گزشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصے سے اس مغربی تعلیمی یلغار کی سنگینی کا احساس ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی (متوفی 1914) کی شاعری اوّل تا آخر اسی سانحہ پر آنسو بہانے کا دوسرا نام ہے۔ ؎

یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی جدید نظام تعلیم میں کالج، یونیورسٹیاں امت مسلمہ کے نوجوانوں کا اخلاقی قتل کر رہی ہیں اور کسی کو احساس بھی نہیں ہو رہا ہم دھڑا دھڑ اپنی نسلوں کو یہ تعلیم دلا رہے ہیں۔ علامہ اقبال

نے بھی اس بات کا بڑی شدت اور دردمندی سے ذکر کیا ہے۔ مولانا مودودی نے پاکستان بننے سے پہلے اسلامیہ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے مغربی تعلیمی درسگاہوں کو نئی نسل کی قتل گاہیں قرار دیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین بھی ساری زندگی اسی بات پر زور دیتے رہے اور ان کی ساری تصانیف اسی نکتہ کے گرد گھومتی ہیں کہ کسی طرح موجودہ مغربی نظام تعلیم کو جو کہ خدا بیزار اور خدا ناشناس افکار کا پرچار کر رہا ہے، بدل دیا جائے۔

اس سے پہلے کہ ہم دور حاضر کی احیاء العلوم کی تحریک کے لئے کیا، کیوں اور کیسے کا جواب دیں ہمارے نزدیک یہ بات بہت اہم ہے کہ یہاں ماضی کی اسی طرح کی احیاء العلوم کی تحریکوں کا تذکرہ کیا جائے۔

علم اور علوم کے بارے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ''تعلیم'' کی دو قسمیں ہیں ایک تجرباتی علم یا علم بالحواس اور علم بالعقل اور دوسرا علم بالقلب اور علم بالعقل۔ دوسرے علم کو علوم نقلیہ بھی کہتے ہیں کہ علوم انبیاء علیہم السلام کی صحت کا دارومدار ان کے اصل منابع (SOURCES) سے صحیح نقل کر کے نسلاً بعد نسل آگے کمال ذمہ داری کے ساتھ منتقل کرنے پر منحصر ہے۔ آج کے مغرب کی طرح ماضی میں بھی ایسے ادوار گزرے ہیں کہ اس کے بانیان (FOUNDERS) وحی، یا علوم انبیاء سے انکار کرتے رہے ہیں۔ آج کے مغرب نے چار صدیاں پہلے مذہب (عیسائیت اور چرچ) سے علیحدگی کا اعلان کیا تھا۔ یہیں سے علم بالقلب و علم بالعقل کے دو دھارے بنتے ہیں ایک قلب سلیم اور عقل سلیم کی ساتھ اور دوسرا حیوانی قلب اور حیوانی عقل کے ساتھ قلب سلیم اور عقل سلیم سے فطرت سلیمہ وجود میں آتی ہے اور انسان علوم انبیاء علیہم السلام اور وحی (REVEALED KNOWLEDGE) میں تجرباتی علوم کو آگے بڑھاتا ہے۔ اور حیوانی قلب اور حیوانی عقل سے حیوانی فطرت سامنے آتی ہے انسان علوم انبیاء اور وحی سے آزاد ہو کر تجرباتی علوم آگے بڑھاتا ہے تو فکر و فلسفہ کے میدان میں ابلیسی انداز پیدا ہو جاتا ہے اور انسان بس انسانی شکل میں ''حیوان'' بن جاتا ہے۔

ان اصولوں کی بنیاد پر غور کریں تو ماضی میں برپا ہونے والے احیاء العلوم کی تحریکیں بھی دو طرح کی ہیں۔

1۔ وہ تحریکیں جس میں علم بالحواس وعلم بالعقل کا رشتہ قلب سلیم وعقل سلیم سے حاصل ہونے والے علم اور علوم نبوت سے جوڑ دیا گیا جس سے انسان کی فطرت سلیمہ سامنے آ گئی۔

2۔ وہ تحریکیں جنہوں نے تجرباتی علوم کا رشتہ علوم انبیاء اور وحی سے کاٹ کر حیوانی قلب اور حیوانی عقل سے جوڑ دیا جس کے بعد حیوانی فطرت جلوہ گر ہوگئی اور وہ معاشرہ حیوانوں کا معاشرہ بن گیا جہاں شرم وحیاء، عفت وعصمت، لباس، رحمی رشتوں کا لحاظ اور اخلاق وکردار نام کی کسی شئے کا وجود نہیں تھا۔

ہمارے ناقص علم اور جزوی مطالعہ ءِ تاریخ کے مطابق ماضی کے چار ادوار اور علاقے ہیں جہاں احیاء العلوم کی تحریکیں اٹھی ہیں۔

☆ احیاء العلوم کی پہلی تحریک۔600 ق م سے لیکر 600 عیسوی تک یونان اور قسطنطنیہ میں احیاء العلوم کی پہلی تحریک اٹھی (رومی بادشاہوں نے 300ء کے لگ بھگ عیسائی مذہب قبول کر لیا لہٰذا وہ اس یونانی تحریک کا حصہ نہیں رہے)۔اسی دور میں ایران، ہند اور چین جو فلسفہ کے مراکز بنے یہاں بھی یونانی احیاء العلوم کی تحریک کی طرح کی تحریکوں نے جنم لیا اور پروان چڑھیں۔

☆ دوسری تحریک۔600ء سے لیکر 850ء تک جزیرہ عرب ایران، شام، شمالی افریقہ، افغانستان اور ترکستان کے علاقوں میں احیاء العلوم کی ایک زبردست تحریک اٹھی اور آناً فاناً چہار دانگ میں پھیل گئی اور اس کے اثرات دور دراز تک محسوس کئے گئے۔

اس تحریک کے داعیان کا آغاز میں ہی ایک حصہ شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا مغربی یورپ میں (سپین میں) داخل ہوا جہاں اس تحریک کو پھیلنے پھولنے کا خوب موقع ملا چنانچہ احیاء العلوم کی اس تحریک کے ذریعے تجرباتی علوم کا بے پناہ خزانہ منظر عام پر آ گیا اور دنیا آج تک اس سے استفادہ کر رہی ہے۔

☆ احیاء العلوم کی تیسری تحریک۔امام غزالی نے مشرق وسطیٰ کے علاقوں میں اٹھائی جہاں یونانی تحریک کے اثرات نے مسلمانوں کی تحریک کو متاثر کر کے دبا دیا۔اس پر زوردار ردّعمل

مسلمانوں میں پیدا ہوا چنانچہ امام غزالی اور ان کے دوسرے ہم عصر لوگوں نے بڑا کام کیا امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، ابن عربی اور مولانا روم رحمہم اللہ اسی احیاء العلوم کی تحریک کے اٹھانے والے حضرات میں نمایاں نام ہیں۔

☆ پہلی دفعہ گیارہویں صدی میں سپین کے مسلمانوں کی احیاء العلوم کی تحریک کے زیر اثر اور پھر بارہویں صدی میں نمایاں کام یورپ میں ہوا تاہم یہ کام عیسائیت اور چرچ کو راس نہیں آیا اور ''رومی'' طرز حکومت بھی اس کو ہضم نہیں کر سکا۔

لہٰذا۔۔۔۔۔۔۔۔ پندرھویں صدی میں سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد سولہویں صدی میں احیاء العلوم کی وہ تحریک چلی جس نے تجرباتی علوم کا رشتہ عیسائیت سے کاٹ دیا۔ مذہب سے علیحدگی اختیار کر لی فلسفہ اور عمرانی علوم میں خلاء کے باعث حیوانی علوم پھلے پھولے اور ریاست کے لئے فلاحی ریاست کی بجائے ''رومی انداز حکومت'' اور رومی قانون (ROMAN LAW) کا احیاء کر دیا گیا گزشتہ چار صدیوں میں ترقی کر کے موجودہ مغربی علوم اور تہذیب اس احیاء العلوم کی تحریک کا وہ ''چہرہ'' ہے جو سب کے سامنے ہیں بقول اقبال ۔

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات　　　بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

ماضی کی ان احیاء العلوم کی تحریکوں کی قدرے تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ماضی کی ان تحریکوں کا صحیح چہرہ واضح ہو جائے اور دوسری طرف اس وقت نئی احیاء العلوم کی تحریک کا حقیقی اور یقینی احساس گہرا ہو جائے تا کہ ہم سب اس تحریک کو لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور خود نہ سہی تو کم از کم اگلی نسل کو ضرور اس کے ثمرات سے بہرہ یاب کر سکیں۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ تجرباتی علوم کو آزاد اور حیوانی اثرات کے تحت پروان چڑھانے کے لئے تحریک چلے گی تو یہ شیطانی تحریک ہو گئی اور اگر تجرباتی علوم کو آزاد اور حیوانی اثرات سے نکال کر علوم انبیاء کرام علیہم السلام کے تحت کرنے کے لئے تحریک برپا ہو گی تو دوسری قسم کی یعنی فطرت سلیمہ کی بنیاد پر تحریک ہو گی خدا شناسی کی تحریک ہو گی یا اسلامی تحریک احیاء العلوم ہو گی۔
مذکورہ چار احیاء العلوم کی تحریکوں میں پہلی تحریک جو یونان سے اٹھی وہ احیاء العلوم کی

شیطانی تحریک، ابلیسی تحریک تھی جبکہ دوسری تحریک اور تیسری تحریک مسلمانوں کے ہاتھوں برپا ہوئی وہ اسلامی تحریکیں تھیں۔ اور چوتھی تحریک جو احیاء العلوم *(RENNAISANCE)* کی تحریک تھی اور پانچ صدیاں قبل مسیحی یورپ سے اٹھی تھی وہ بھی شیطانی تحریک تھی اور آج تک جاری ہے اور اب ان صفحات میں جس احیاء العلوم کی تحریک کا تذکرہ ہے وہ تاریخ انسانی کی پانچویں تحریک ہوگی جو احیاء العلوم کی اسلامی تحریک ہوگی۔

اب ترتیب وار ماضی کی ان چاروں احیاء العلوم کی تحریکوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(1) احیاء العلوم کی یونانی تحریک ---- *SATANIC MOVEMENT*

دنیا میں نسل انسانی کی تاریخ اور انبیاء کرام علیہم السلام یعنی وحی آسمانی کی تاریخ ایک ہی ہے ان دونوں کا نقطہ آغاز ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کا مجموعہ پہلے انسان بھی تھے اور پہلے نبی علیہ السلام بھی۔ کئی ہزار سال تک انسانوں کی رہنمائی کے لئے خالق کائنات نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانی رہنمائی کا انتظام فرمایا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام انسانیت کے عہد طفولیت سے لیکر ''جوانی'' *(PSCYCHIC MATURITY)* تک ایک بہترین معلم اور *TUTOR* کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے 2000 ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کئی امتحانوں میں ڈالا اور انہوں نے کامیابی حاصل کر لی تو تعمیر بیت اللہ (مکہ مکرمہ) کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کئی انعامات *(AWARDS)* دیئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اب مزید جتنے بھی نبی آنے ہیں وہ آپ کی اولاد میں سے ہوں گے گویا اللہ تعالیٰ حضرت ابراھیم کی اولاد میں سے ایک گروہ کو اٹھانا چاہتا تھا جو بحیثیت امت (اور *PARTY*) بہترین انسان ہوں اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کو دو بیٹے عطا فرمائے ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ میں آباد کیا جہاں تعمیر کعبہ اور چاہ زمزم کے ساتھ آبادی ہوگئی یہاں عرصے تک کوئی نبی نہیں آیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے 2500 سال بعد حضرت محمد ﷺ ہیں۔

دوسری طرف حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ابراھیم علیہ السلام نے فلسطین میں آباد کیا تھا جہاں ان کی

اولاد میں سینکڑوں نبی آئے۔ تا آنکہ اس لڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں اس کے بعد 571ء میں حضرت محمد ﷺ کی پیدائش مکہ میں ہے۔ اولاد اسحٰق علیہ السلام کی تربیت ہو رہی تھی۔ اور ایک گروہ اور جماعت کو تیار کیا جا رہا تھا کہ اس میں انسانی مزاج کے عین مطابق ایک گروہ نے بغاوت کر دی اور نیکی کی بجائی بدی کا راستہ اختیار کر لیا حضرت یوسف علیہ السلام سے بدسلوکی سے اس کا آغاز ہے اور کئی انبیاء علیہم السلام کے قتل ناحق کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بزعم خویش سولی پر لٹکوایا تھا۔

انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف ہی اس لئے لاتے تھے کہ وہ اپنے عمل و کردار سے دوسروں کے لئے نمونہ بنیں اور ان کی تربیت کریں مگر جس جماعت نے اپنی حماقت میں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو TUTORS کو ہی قتل کر دیا ان کی تربیت کیا ہونی تھی یہ ذہن ہوتے ہوتے ایک جماعت بن گیا اور جماعت بھی شیطان کی جماعت یعنی حزب الشیطٰن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی تھی 100% بنی اسرائیل حزب الشیطٰن میں شامل نہیں تھے تاہم غالب حصہ گمراہ کن خیالات کا حامی تھا۔ قتل انبیاء کے واقعات تقریباً 600 ق م سے شروع ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کرنے (یا مسلمانوں کے نزدیک اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رفع آسمانی تک جاری رہتے ہیں قتل انبیاء علیہم السلام دراصل ایک خود ساختہ انقطاع نبوت تھا کہ عملاً انسانوں کے لئے آسمانی رہنمائی ختم ہوگئی اس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خالق کائنات نے 600 صدیوں کا حقیقی وقفہ دے دیا تا کہ آخری نبی اور کامل نبی بھیج کر اور اس کو کامل اور آخری ہدایت (LAST TESTAMENT) دے کر آئندہ کے لئے انسانیت پر اعتبار کرتے ہوئے سلسلہ انبیاء کرام علیہم السلام آسمانی وحی کو منقطع کر دیا جائے چنانچہ یہ ایک طرح قوائے انسانی اور قلب سلیم اور عقل سلیم پر اعتبار تھا کہ انسان پہلے وحی اور اب قرآن مجید کے ہوتے ہوئے اجتہاد سے ہر نئے زمانے اور آنے والے ہر دور میں اپنے لئے ہدایت تلاش کر لے گا۔

600 ق م سے 600 عیسوی تک کا یہ وقفہ ابلیسی قوتوں کو پر پرزے نکالنے کے لئے بہت سازگار ثابت ہوا۔ انسان کے اندر شیطانی خیالات اور بغاوت کا جذبہ تو ہے ہی طویل عرصے تک آسمانی ہدایت سے محرومی کی وجہ سے انسان گویا ''حیوان'' اور ''جانور'' ہی بن گیا۔

یہ بات پس منظر میں رہے کہ تورات، زبور وغیرہ آسمانی ہدایت کی ٹھوس شکلیں تھیں اور

انجیل بھی مگر یہود و نصاریٰ خود تسلیم کرتے ہیں کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جلد ہی 3-4 صدیوں کے اندر ہی گم ہوگئی تھی اور انجیل تو حضرت مسیح علیہ السلام کے کل نصف صدی بعد ہی دنیا سے غائب کر دی گئی موجودہ بائیبل تو خود انسانی ذہن کی پیداوار اور کچھ یادداشتوں پر مشتمل ہے جس سے اس میں آٹے میں نمک کے برابر کوئی حق کی رمق بھی موجود ہوسکتی ہے۔

ان حالات میں یونان، ایران، ہند اور چین میں بیک وقت آسمانی وحی سے خلاء کے دور میں انسانی ذہن نے حیوانی اور ابلیسی خیالات کو ظاہر کیا ہے، ان کو عام کیا ہے، ان کو منظّم کیا ہے مدوّن کیا ہے، اس کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل کی ہے اجتماعی نظام بنانے میں قانون عدل و انصاف کے پیمانے، سزائیں، سماجی معاشی معاشرتی احکام، حلال وحرام کے احکام حتیٰ کہ زندگی کے ہر شعبے میں پیش رفت کی ہے تجرباتی علوم میں بہت ساری دریافتوں کے ساتھ ملکر ایک نظام تشکیل دیا ہے اور ریاست کی تشکیل کے مراحل طے کئے ہیں۔ ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط اور ارشمیدس، جالینوس وغیرہ اس دور کے حکماء کی طویل فہرست میں سے چند نمایاں نام ہیں۔

یہ دور علوم انبیاء سے خالی تھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے قتل انبیاء کے ذریعے مصنوعی انقطاع وحی پیدا کر لیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد مزید چھ صدیاں جاری رہا جس سے دنیا میں خدا بیزار اور خدا ناشناس سوچ اور خود ساختہ انفرادی واجتماعی قوانین اور ظالمانہ جابرانہ انداز حکومت نے لے لی اس نظام زندگی کے تحت ریاست تشکیل پائی تو اس آسودگی کے دور میں بظاہر سینیٹ (SENATE) اور اسمبلیوں جیسے ادارے بھی وجود میں آئے مگر بے حیائی، آزاد خیالی اور سیکولر سوچ پروان چڑھی یہاں تک کہ اس دور کا آرٹ اور فن بھی عریانی اور فحاشی کی مائل تھا اور بے حیائی کی علامت مجسمے ہی اس تہذیب کی یادگار ہیں۔

یونانی تہذیب کے علاوہ ایسی ہی خدا ناشناسی اور خدا بیزاری فکر و فلسفہ اور ترقی ایران، ہند اور چین میں بھی ہوئی ہے۔ یونان اور ایران میں تو یہ ملحدانہ فکر و فلسفہ اور جابرانہ بادشاہوں کا سلسلہ اسلام کے آنے کے بعد ختم ہوگیا تاہم ہند میں اسلام 711ء میں آ گیا مگر سندھ سے آگے نہ بڑھ سکا اور سیاسی، عدم استحکام کی وجہ سے ہند میں قدم نہ جما سکا۔ لہٰذا ہند میں اپنے ملحدانہ اور ابلیسی سوچ کے فلسفوں کو مزید چار صدیاں مل گئیں جس میں اس فکر و فلسفہ کی اشاعت میں خوب

اضافہ ہوااور یہاں کا آرٹ مجسمہ سازی ظروف سازی، عمارات کی تعمیر میں بے حیائی، عریانی اور جنسی اختلاط کے ایسا ناپسندیدہ مجسمے عام تو عام مذہبی عبادت گاہوں تک میں لگا دیئے گئے کہ شرف انسانیت نے منہ چھپالیا دست قدرت نے انہیں میں سے ایک سومنات کا مندر ایک سلیمہ الفطرت انسان کے ہاتھوں تباہ کرادیا اور اس نے بت فروشی نہ کی بلکہ بت شکنی کی روایت قائم کی۔

اسی طرح چین اور مشرق بعید کے علمی اور سیاسی مراکز میں بھی ایسے ہی ملحدانہ فکر وفلسفہ نے جنم لیا اور انہیں علوم انبیاء سے روشناس کرانے کے لئے اجتماعی مواقع نہ آسکے جس سے یہاں کے نظام حکومت وریاست میں کبھی اسلامی تعلیمات کے اثرات شامل نہ ہوسکے۔

---

(2) احیاءالعلوم کی پہلی اسلامی تحریک SPIRITUAL MOVEMENT

احیاءالعلوم کی اسلامی کوشش اور تاریخ اسلام کی سب سے بڑی کوشش 610ء میں حضرت محمد ﷺ پر وحی کے آغاز سے ہوئی اس سے پہلے دنیا میں آسمانی وحی اور سابقہ انبیاء کرام کے کچھ اثرات تھے اور زبانی کچھ نامکمل اور بدلی ہوئی تعلیمات کا ناقابل فہم مجموعہ تھا گویا فطرت انسانی کی تعمیر کا سلسلہ از سرنو شروع کرنا تھا حضرت محمد ﷺ کو احیاءالعلوم کی اس کوشش میں علوم انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کو بھی تازہ کرنا تھا اور تجرباتی علوم کو بھی ٹھیٹھ اسلامی بنیادوں پر اٹھانے کا کام کرنا تھا۔

لہٰذا ــــــــــــ تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام بڑی تیزی سے ہوا ہے قرآن مجید کا نزول 23 سالوں میں مکمل ہوا۔ اسلامی حکومت اور اسلامی ریاست ایک بڑے رقبے پر پہلے حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی قائم ہوگئی اور خدا شناس، فطرت شناس، انسان دوست، قوانین اور ماحول میں کفالت عامہ کے تصورات کے ساتھ یہ ریاست جلد ہی خلافت راشدہ کے دور میں اگلے پچاس سال میں تین براعظموں تک پھیل گئی اور انسانیت نے اس ریاست کے آغوش رحمت میں ایسا امن اور سکون محسوس کیا کہ اس کی لذت آج بھی مشرق وسطیٰ اور سپین کے انسانوں اور ماحول میں دیکھی جاسکتی ہے اس اسلامی احیاءالعلوم کی تحریک کے نتیجے میں قانون، حکومت ریاست کے قیام واستحکام کے لئے قوانین بنے وہ تو عادلانہ تھے ہی اس دور میں کفالت

عامہ کے تصور نے اس کی مثال ممکن نہیں۔ چنانچہ مساوات انسانی کی عملی نمونے، آسودگی اور معاشی استحصال سے پاک ماحول ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ یعنی مساوات، عدل اجتماعی، آزادی اور کفالت ایسے تصورات ہیں جس کا مقابلہ آج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کسی ریاست کی تشکیل کے لئے جو تہذیب وثقافت بنتی ہے وہ اس سوچ کی جھلک ہوتی ہے جو اس ریاست کی فکر وفلسفہ میں گوندھی ہوتی ہے چنانچہ اسلامی احیاء العلوم کی تحریک کے بعد جو تہذیبی اور ثقافتی ترقی ہوئی جو آرٹ فنون ظروف سازی اور سنگ تراشی کے نمونے عمارتوں اور خوبصورتی کے مقامات اور شاہراہوں چوکوں میں نصب ہوئے وہ ایسے پاکیزہ حسین، اعلیٰ فن اور اعلیٰ ہندسہ وریاضی کے پیکر تھے کہ آج بھی مغربی تہذیب اس پر انگشت بدنداں ہے اور اس کا نمونہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے اس تہذیبی وثقافتی ورثہ کو ایران کی مساجد اور معبدوں کے محلات، مساجد اور باغوں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(3) اسلامی احیاء العلوم کی دوسری اسلامی تحریک ــــ DIVINE MOVEMENT

اسلامی احیاء العلوم کی اس پہلی کوشش کو کامیابی سے ہم کنار ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک نادیدہ قوت جو بنی اسرائیل کے قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم سے ہاتھ رنگے ہوئے تھی اور جو حضرت محمد ﷺ کے بھی راستے میں سازشوں کا جال بن کر دو قتل کے منصوبے بھی بنا چکی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس نادیدہ قوت یا گروہ کو پسند نہیں تھا کہ دنیا میں اسلامی اور خداپرستی کے اصولوں پر مبنی علوم کا احیاء ہو اس ابلیسی گروہ نے قتل انبیاء کا جرم کیا اسی لئے تھا کہ انبیاء کی تعلیمات لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دی جائیں تورات، زبور اور انجیل کو غائب اسی لئے کیا تھا کہ آسمانی وحی کا کوئی تحریری مواد انسانیت کے لئے بطور ریفرنس بھی موجود نہ رہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا میں آسمانی وحی اور اس کی کتاب موجود ہے تو اس ابلیسی گروہ کے لئے پیغام موت ہے۔

اس گروہ نے اس دور میں قرآن مجید کو صفحہ ہستی سے غائب کرنے کی بھی کئی کوششیں کی خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا۔ یونانی ملحدانہ علوم کو اسلامی سلطنت میں روشناس کرایا علمی بحثیں شروع کیں اور اسلامی مابعد الطعیات کے عقائد کو متنازع بنانے کا کام کیا تا آنکہ مسلمانوں میں سے ہی ایک گروہ یونانی فلسفہ کا گرویدہ ہو گیا جیسے جیسے دور نبوت سے بعد پیدا ہو گیا اور ایمانی کیفیات میں اضمحلال آتا گیا اس ابلیسی گروہ کی سازشیں بڑھتی گئیں حتیٰ کہ دور بنو عباس کے پہلے دور عروج

(115 سال) کے بعد ہی نویں صدی عیسوی میں یہ کاوشیں اپنے عروج کو پہنچ گئیں اسی دور میں اسلام کے علماء وحکماء نے اسلام کی حفاظت کے لئے کوشش شروع کیں ہیں اور اسلامی ورثہ قرآن و حدیث، اسلامی عقائد، اسلامی شعائر وغیرہ کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اس دور میں اسی ابلیسی گروہ نے (جو بنی اسرائیل میں سے یہود پر مشتمل تھا اور آج بھی کیموفلاج کر کے کئی ناموں سے کام کر رہا ہے) مسلمانوں کے اندر کئی گروہ کھڑے کر دیے جو نام کے مسلمان تھے مگر دراصل ان کے عقائد اسلام سے متصادم تھے یہ سیاسی اعتبار سے بھی مرکز گریز رجحانات رکھتے تھے مسلمان ان کو رد کر سکتے تھے مگر ابلیسی گروہ کی پشت پناہی اور در پردہ مدد کے باعث یہ گروہ اکثر و بیشتر با اثر رہے اور حکومتیں قائم کیے رکھیں۔

اس دور میں چند باہمت لوگوں نے اسلامی علوم کے احیاء کا کام کیا ہے اور یونانی فلسفہ کے شہرہ کے باعث جو اسلامی حکمت وفلسفہ پس پردہ چلا گیا تھا اس کو دوبارہ بالا دستی دلانے اور عقل کے استدلال سے ثابت کر کے علیٰ رؤس الاشہاد غالب کرنے کا کام کیا ہے۔ان میں امام غزالی رحمہ اللہ کی مساعی قابل ذکر ہیں ان کی مشہور تصنیف احیاء العلوم اسی موضوع پر اہم تصنیف ہے دیگر کئی اصحاب نے اسی طرح کا کام کیا ہے اسی دور کے کئی اکابر کا لقب محی الدین مشہور ہے، محی الدین ابن عربی، محی الدین عبدالقادر جیلانی وغیرہ وغیرہ۔محی الدین کے معنی ہیں دین کا احیاء کرنے والا۔

ان حضرات کی مخلصانہ مساعی سے اسلامی فکر و فلسفہ کے خلاف سازش کے ذریعے اسلام کی بنیادیں کمزور کرنے کا یہ فتنہ جلد فرو ہو گیا اور اگلی تین چار صدیاں سیاسی لحاظ سے تو بڑی شکست وریخت کا معاملہ رہا مگر اسلامی فکر اور عقائد اور قرآن وحدیث کے آسمانی ہدایت ہونے پر یقین کے اعتبار سے مسلمانوں کا رجحان بھلائی اور خیر کی طرف رہا ہے تا آنکہ اسی احیاء العلوم کے زیر اثر دور صحابہ ﷺ اور دور تابعین رحمہم اللہ سے بہت کمزور مگر اپنے گرد وپیش کے اعتبار سے بڑی مضبوط تین اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں۔روسی ترکستان اور مشرقی یورپ میں عثمانی سلطنت، ایران میں صفوی حکومت اور ہند میں مغلیہ حکومت۔عثمانی حکومت نے 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں اسلامی فتوحات کا راستہ کھول دیا اور اسلامی افواج پیرس تک پہنچ گئیں تو یورپ کیا یونانوں اور ابلیسی گروہ کی صفوں میں زلزلہ آ گیا۔لہٰذا 1492ء میں سپین سے اسلام کے ظالمانہ

اور بے رحمانہ خاتمہ کا سبب اسی کا جاہلانہ ردّعمل تھا اور اس ابلیسی گروہ کا خوابوں کی نئی دریافت شدہ سرزمین امریکہ فرار اسی عثمانی سلطنت کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔

اس دور میں اسلامی احیاء العلوم کا اثر بھی مسلمان تہذیب وثقافت پر پڑا ہے اور آرٹ، سنگ تراشی، قرآنی آیات کی خوشنویسی وغیرہ کے وہ نادر نمونے سامنے آئے ہیں کہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ ہند کے ماحول میں ایک مسلمان بادشاہ نے اپنی چہیتی بیوی کی وفات پر تاج محل کھڑا کر دیا جو ایک طرف تجرباتی مسلم علوم وفنون کا نادر نمونہ ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی تاہم وہ ہندو ذہن اور تہذیب وثقافت کے منہ پر ایک طمانچہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کی محبت کی نشانی بھی اتنی پاکیزہ اور فطرت کے ودیعت کردہ شرم وحیا کی اقدار کی پابند ہے۔ جبکہ ہندو ثقافت کے مندر جو مذہبی عمارات ہیں ان میں بے حیائی عریانی کے وہ مجسّمے نصب ہیں اور کثرت سے نصب ہیں کہ اس سے آگے شاید آج کا مغرب بھی بے حیائی کے اظہار میں نہیں جا سکتا اسی لیے آج کا مغرب ہندو ثقافت کا پرستار ہی نہیں ہندو کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

یہی فرق ہے اسلامی احیاء العلوم کے اثرات کا تہذیب وثقافت پر اور حیوانی اور ابلیسی نظریات کے تسلط کا احیاء العلوم پر۔ کہ مسلمانوں کی ایک محبت کی نشانی ابلیسی نظام کی عبادت گاہوں سے زیادہ پاکیزہ اور روشن اور قلب و روح کو معطر کرنے والی ہے جبکہ ابلیسی نظام کی عبادت گاہیں بھی انسان کے جنسی اور حیوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے مناظر کی عکاس ہے۔ نامعلوم ہندو خاندان باپ بیٹی ماں بہن کے ساتھ بھائیوں بیٹیوں کے جلو میں ایسی عبادت گاہوں کی یاترا کس ذہن کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اعاذنا الله من ذالك

---

(4) احیاء العلوم کی چوتھی تحریک SATANIC MOVEMENT

یہ تحریک بھی پہلی تحریک کی طرح شیطانی اور ابلیسی تحریک ہے اور آج سیکولر کے لفظ سے پہچانی جاتی ہے الحاد، اباحیت پرستی، مادر پدر آزادی اور عوامی حاکمیت، سود، جواء، سٹہ، شراب، بے حیائی، عریانی اس کے نمایاں خدوخال ہیں۔ حالیہ مغربی فکر وفلسفہ اور تہذیبی بالادستی کے پیچھے جس احیاء العلوم کی تحریک کا ہاتھ ہے اس کا تذکرہ حقیقت علم نمبر (اگست 08ء) میں

ہو چکا ہے اور کئی جگہ بالواسطہ طور پر آ چکا ہے ماہانہ سیمینار کے سلسلے میں جن شخصیات کے حالات ان صفحات میں شائع ہو چکے ہیں اس میں اس کا بالواسطہ ذکر موجود ہے۔ لہٰذا ہم یہاں اس کا براہ راست ذکر نہیں کر رہے۔ مختصر طور پر چھ صدیوں کے اس سفر میں انسان ــــــــــــ کا نٹ (KANT) والے حقیقی انسان سے ایک حیوانی حواس و حیوانی عقل والا جانور بن کر رہ گیا۔ اس تنزلی سفر کی داستان پیش خدمت ہے۔

موجودہ مغربی احیاء العلوم کا پس منظر خالص خدا شناس اور خدا پرستی کا ہے۔ سائنسی علوم کا جھنڈا اہل مغرب نے سپین کے مسلمانوں سے لیا پہلے پہل اس کے بانیان مذہب دشمن اور خدا بیزار نہیں تھے عیسائیت کی تنگ نظری کی بدولت کئی ایک سائنس دانوں نے موت کی سزا بھی پائی تاہم جلد ہی کسی غیبی ہاتھ کے ذریعے چرچ (عیسائیت) سے رشتہ منقطع کر لیا۔ پھر سرے سے مذہب سے ہی اعلان بیزاری ہو گیا پہلے پہل کانٹ اور دیگر مخلص اور باضمیر لوگوں نے مخالفت کی مگر وہ اس ابلیسی احیاء العلوم کی مزعومہ تحریک کے سامنے ٹھہر نہ سکے اس تحریک نے مذہب سے گلوخلاصی کے بعد سود کا آزادانہ لین دین اور دیگر حرام کاموں کا جواز از خود حاصل کر لیا اور 1750ء میں ریاست کے قیام کے بعد ریاست کو مذہب سے آزاد قرار دے دیا اور اس طرح لادینیت اور لامذہبیت کا آغاز ہوا اس تحریک کے زیر اثر ریاستوں میں نظام تعلیم بھی اسی قسم کا تھا۔

کچھ عرصہ تو اس تحریک کے داعیان ذرا مجرمانہ ذہنیت (GUILTY CONSCIOUS) کے تحت چلتے رہے مگر جلد ہی تمام اخلاقی حدود پھلانگ گئے۔ ڈارون (1843ء) نے انسان کو حیوان ثابت کر دیا مارکس (1883ء) نے انسان کو معاشی حیوان بنا دیا اور فرائیڈ نے انسان کو محض جنس کا پجاری بنا کر رکھ دیا لہٰذا ساری تہذیبی اور ثقافتی ورثہ بھی اسی سوچ کے تحت پروان چڑھنے لگا۔ لباس، رحمی رشتے، شرم وحیاء، اخلاق و کردار سب ماضی کے قصے بن گئے۔ حیوانی سطح کا جنسی اختلاط عریانی اور عام بے حیائی کے بعد ''عریاں تہذیب'' کا پرچار شروع ہو گیا۔

اس طرح 1960ء کے بعد انسان کو MORALLESS اور VALUE LESS مخلوق بنا دیا گیا اور اس نظام کے تحت دو نسلیں میدان عمل میں آ چکی ہیں 1998ء میں امریکی صدر

نے کسر نفسی سے کہا تھا کہ 50% امریکی نکاح کے تعلق کے بغیر پیدا ہوئے ہیں مغرب میں FATHER LESS HOMES اور SINGLE PARENT HOMES کا تصور عام ہے۔اس طرح موجودہ احیاءالعلوم کی تحریک میں پہلے نوجوان نسل میں بے مقصدیت کی لہر آئی، پھر کھاؤ پیو عیش کرو کی، پھر لاادریت کی، پھر زندگی سے بیزاری کی۔

ہر معاشرے کی طرح مغرب میں جو کچھ سعید روحیں (نکاح کے تعلق سے پیدا ہونے والے) تھیں وہ گزشتہ دو تین عشروں میں تیزی سے اسلام کے دامن انسانیت میں پناہ لے رہی ہیں۔باقی مغرب کی موجودہ تہذیب اب تباہی کے کنارے کھڑی ہے اور تباہ ہوا چاہتی ہے جس پر نہ آسمان روئے گا اور نہ اہل زمین، شاید ترقی پذیر ممالک اور تھرڈ ورلڈ کے ممالک اس سانحہ پر خوشی کا اظہار کرنا ضروری سمجھیں۔

مغربی ابلیسی نظام تعلیم
اپنے ہاں رائج کرنے کے نتائج

آج علم و دانش کا چرچا ہے ہر چوتھا شخص اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور یہ بات اہل علم و دانش سے مخفی نہیں ہے کہ ہر انسان تعلیم کے نتیجے میں ہی بنتا ہے، جیسے نظریات نظام تعلیم کے ذریعے اس کے ذہن میں انڈیل دیے جائیں گے اسی کے مطابق اس کی شخصیت بن کر سامنے آجائے گی۔آج سے 30 سال پہلے کے تعلیمی نظریات کے مطابق انسان ڈھل کر آج حکومتی اور معاشی ایوانوں میں بیٹھے فیصلے کر رہے ہیں اور معاملات چلا رہے ہیں۔

تعلیم بدلنے سے یقیناً ذہن بدل جاتے ہیں، انداز بدل جاتے ہیں، سوچ اور تصورات بدل جاتے ہیں ــــــــــ مقام حیرت یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنے خاص نظریات رکھتے ہیں، ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے ــــــــــ مگر ہمارے صاحبان اقتدار نہ معلوم کیوں ملک کے نظام کو غیر مسلم آقاؤں کی طرف سے ذرا سی مالی امداد کے عوض ان کی مرضی کے

مطابق ڈھال رہے ہیں اور گزشتہ چالیس سال میں تعلیمی نصاب میں جزوی تبدیلیاں کرتے کرتے ''شیر'' کو ''گدھا'' بنا دیا ہے اور ابھی بہت سی تبدیلیاں مزید متوقع ہیں جن کے لئے ایڈوانس فیس ہمارے یہ تعلیمی ماہرین اور سیاسی زعماء لے کر اپنی جیب میں ڈال چکے ہیں۔

ابھی بھی نظریہ پاکستان کو دیکھیں، ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کے نظریات کو دیکھیں اور نصابِ تعلیم کو دیکھیں تو رونا آتا ہے۔ اگر مجوزہ مزید تبدیلیاں بھی آ گئیں تو یہ آئندہ تعلیمی اداروں میں اخلاق، شرم وحیا کے ساتھ شاید لباس کا بھی جنازہ نکل جائے گا، ایمان اور ایمانی تصورات کا جنازہ تو پہلے ہی ہمارے تعلیمی اداروں میں مفقود ہو چکا ہے۔

اقبال کی نظمیں اور اس کے تعلیمی نظریات اب کہاں پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے نظریہ پاکستان کس بچے کو دیا ہے پاکستان کیوں بنا؟ کا جواب کتنے بچے دے سکتے ہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہ الا اللہ'' کی صحیح تشریح کتنے گریجویٹ کر سکتے ہیں۔

یہ اور اس قسم کے مزید سوالات ایک بیرومیٹر ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نصابِ تعلیم میں مغربی آقاؤں کی خوشیوں کے لئے چند ڈالروں کے عوض کی گئی تبدیلیاں کتنی خوفناک تھیں اور ابھی آئندہ جو ہونے والی ہیں وہ اس سے بھی خوفناک ہوں گی۔

کیا نہیں ہے غزنوی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات

تیسرا حصہ
احیاءالعلوم کیسے ممکن ہے

☆ عقل ووجدان کا جداگانہ دائرہ کار
☆ عقل ووجدان کی تفہیم ایک مثال سے
☆ سائنس کا اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر فلسفہ کائنات کی صورت اختیار کرنا
☆ سائنس کی ساری علمی تحقیق میں کارفرما نقطہ نگاہ
وحدت کائنات کا نظریہ ہے
☆ عقل کا وجدان کی چاکری کے لئے خدمت میں حاضر ہونا
☆ نفسیات کے جدید نظریہ کے تحت ادراک،
بصیرت ووجدان کے ذریعے ہی ممکن ہے
☆ مابعدالطبعیات کے علم کا زندگی کا روح رواں ہونا
☆ علم بالقلب (قلب، روح اور نفس)
☆ علوم کا احیاء۔۔۔وقت کی ضرورت

عقل و وجدان کا جداگانہ دائرہ کار

عقل کا کام یہ ہے کہ وجدانی ملکہ جن سالمیتوں کو دریافت کرتا ہے ان کے باہمی ربط کو معلوم کرے تاکہ وجدان اک عظیم تر نامعلوم سالمیّت دریافت کر سکے جس میں یہ سالمیتیں شامل ہیں اور جو ان مشمولہ سالمیتوں سے مربوط ہو سکتی ہے۔ یا پھر یہ کہ ایک معلوم سالمیّت کی ترکیب جن چھوٹی سالمیتوں سے ہوئی ہے اور جو اس سے ربط رکھتی ہیں ان کا وقوف حاصل ہو سکے۔ اول الذکر عمل ترکیب ہے اور آخر الذکر عمل تحلیل۔ سالمیتوں کے باہمی ربط کی تلاش میں عقل ایک سالمیّت سے دوسری کی طرف اور دوسری سے تیسری کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اسی کی بدولت وجدان کو موقع ملتا ہے کہ نئی سالمیتوں کی جستجو میں ترکیب یا تحلیل کا عمل انجام دے جوں ہی وجدان کسی نئی سالمیّت کو دریافت کر لیتا ہے عقل کا کام ختم ہو جاتا ہے اور وجدان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

عقل صرف ان علائق کا مطالعہ کر سکتی ہے جو معلومہ سالمیتوں کے باہم موجود ہوں۔ نئی سالمیتوں کی دریافت عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ صفت سالمیتوں کا وقوف حاصل کرنا اس کی موجودگی کا احساس اور اس کا مشاہدہ اس کے حسن و کمال کا عرفان جو سالمیّت ہونے کے باعث اس میں موجود ہے عقل کا کام نہیں' یہ کام ہے وجدان کا' یا یہ کہیے اس تقاضے کا جو حسن اور کمال کا جویا ہے یعنی جذبہ شوق و محبت کا۔ عقل نفس کو اس کی منزل مقصود کی راہ دکھا سکتی ہے۔ مگر خود منزل پر پہنچ نہیں سکتی۔ چونکہ عقل صرف تھوڑی دور تک ساتھ دیتی ہے۔ خاتمۂ سفر پر ہمیں یاد بھی نہیں آتا کہ وہ تو کبھی کی رخصت ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

عقل اور وجدان کی تفہیم ایک مثال سے

انسان کے نفس کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک بڑے سے مکان میں چھوڑ دیا گیا ہے جس سے وہ تھوڑا بہت واقف ہے اور اب اس کو کسی خاص کمرے میں پہنچنا ہے وہ چلنا شروع کرتا ہے ہاتھوں سے در و دیوار ٹٹولتا جاتا ہے۔ اور جس

مقام پر پہنچتا ہے اس کا پورا خاکہ ذہن کے سامنے آجاتا ہے۔ ہاتھوں سے صرف اتنی مدد ملتی ہے کہ اس مقام کے کسی مخصوص حصے کا علم ہو جاتا ہے اور یہ حصہ وہ ہوتا ہے جس کو اس اندھیرے میں اس کے ہاتھ چھو رہے ہیں۔ لیکن مکمل نشاندہی قوتِ متخیّلہ کرتی ہے۔ جو ہر مقام کی جہاں وہ پہنچتا ہے پوری تصویر لا کر سامنے رکھ دیتی ہے عقل ہماری وہی خدمت کرتی ہے جو اس آدمی کے ہاتھ ٹٹول ٹٹول کر انجام دیتے ہیں وہ صرف اس موقع خاص کی چند علامتوں سے واقف کر دیتے ہیں اور وجدان، احساس یا یقین ہمارے لئے وہ کام کرتا ہے جو متخیّلہ اس شخص کے لئے کر رہی ہے۔ اسی کا صدقہ ہے کہ وہ سارے ماحول کا مرقع سامنے دیکھ سکتا ہے۔ جس طرح متخیّلہ کا عمل اس وقتی اندھے کے لئے اس لئے کارآمد ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے گھر کے نقشے سے کچھ واقف ہے۔ اسی طرح ہمارے وجدان یا بلاواسطہ دریافت کا سبب حسن اور کمال کی وہ طلب ہوتی ہے جو قدرت نے ہمارے خمیر میں رکھ دی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

سائنس کا اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر فلسفۂ کائنات کی صورت اختیار کرنا

سائنس صرف یہی کام نہیں کرتی ہے کہ مشاہدے یا تجربے سے حقیقت بشر اور حقیقت کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرے بلکہ ساتھ ہی کچھ مفروضہ نظریے بھی پیش کرتی ہے جو اس معلومات میں نظم و ترتیب قائم کر دیتے اور وجوہ و علل بتا دیتے ہیں۔ جب تک سائنس یہ کام کرتی رہے گی کہ مشاہدہ کیے ہوئے حادثات و حالات کی توجیہ و تاویل کے لئے نظریات قائم کیے جائیں، سائنس اور فلسفے میں امتیاز نہیں رہے گا۔ جب فلسفہ کوشش کرتا ہے کہ حادثاتِ مشہود کی توجیہ پیش کرے اور ان میں ربط و نظم پیدا کرے وہ سائنس کہلائے گا۔ جب سائنس کوشش کرتی ہے کہ تمام حادثات کی خواہ موجودات کے کسی عالم سے متعلق ہوں توجیہ کرے اور ربط و نظم تلاش کرے وہ فلسفہ کہلائے گی۔ سائنس اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر فلسفۂ کائنات بن جاتی ہے اور فلسفہ آخر کار کائناتی سائنس بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

سائنس کی ساری علمی تحقیق میں کارفرما نقطۂ نگاہ

وحدتِ کائنات کا نظریہ ہی ہے

سائنسدان کے دل میں یہ مفروضہ یقین واثق کی طرح گھر کیے ہوئے ہوتا ہے، یہی اس میں تلاش حقیقت کی آرزو پیدا کرتا ہے اور اسی کے ذریعے وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اپنے استخراجات کی صحت جانچ سکے اور مطمئن رہے کہ کوشش بارور ہو رہی ہے اور من حیث المجموع کائنات سے واقفیت بڑھتی جاتی ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی سائنسداں کو اگر یہ شک پیدا ہو جائے کہ جو واقعہ اس نے تحقیق کیا ہے وہ محض ہنگامی یا مقامی نوعیت رکھتا ہے اور مختلف مقامات پر یا مختلف اوقات میں مختلف صورتیں اختیار کر سکتا ہے (اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ کسی ایک مقام پر پانی کبھی ایک درجہ حرارت پر اور کبھی دوسرے کسی درجے پر اُبلنے لگتا ہے یا ایک ہی ساعت میں ایک مقام پر ایک درجہ حرارت پر اُبل جاتا ہے اور دوسرے کسی مقام پر جو سطح سمندر سے اتنا ہی بلند ہے کسی اور درجے پر اُبلتا ہے) تو وہ اس تحقیق وجستجو کو عمل بے سود سمجھ کر چھوڑ بیٹھے گا۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

عقل کا وجدان کی چاکری کے لئے خدمت میں حاضر ہونا

عقل وجدان کی مدد کرتی ہے کہ کل شے سے واقف ہو جائے حالانکہ خود صرف ایک جز کو دیکھ سکتی ہے۔ عقل کسی نوع کا عمل کر رہی ہو۔ نصب العین کی طلب کا عقلی جواز تلاش کر رہی ہو۔ (یہ وہ عمل ہے جس کو وہ بڑے خلوص کے ساتھ انجام دینا چاہتی ہے) یا اس طلب کی معاونت کر رہی ہو کہ اپنا مقصد حاصل کر لے یا طلب کا رخ بہتر واعلیٰ تر حسن یا نصب العین کی طرف موڑنا چاہتی ہو بہر حال وہ وجدان کی خدمت میں ادنی چاکر کی حیثیت سے حاضر رہتی ہے۔ وجدان سالمیتیں تلاش کرتا ہے اور اس کی علت ہماری وہ فطری تڑپ ہے جو حسن کی جویا رہتی ہے۔ وہ حسن جس کی صرف احساس کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ جو شے یا جو تصور ہم کو سالم معلوم ہوتا ہے یا کسی سالمیت کی تکمیل سالمیّت کرتا ہوا نظر آتا ہے اس کی طرف ہمارا کھنچنا اسی تڑپ کے باعث ہوتا ہے۔ یہی

تڑپ اُکساتی ہے کہ ہم اس تصور یا اس شے کا حسن محسوس کریں اور اسی تڑپ کا نتیجہ ہے کہ جس شے یا جس تصور میں سالمیت نظر نہیں آتی ہے یا جس سے کسی سالمیت کی تکمیل سالمیت نہیں ہوتی اس کی طرف سے دل پھر جاتا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

نفسیات کے جدید نظریہ کے تحت ادراک

بصیرت و وجدان کے ذریعہ ہی ممکن ہے

شاگرد کے ذہن میں حصول علم کا جو تقاضا ہوتا ہے اس کا کامل مظاہرہ اور تشفی اگر منظور ہے تو استاد کو علم کی کیفیت و ماہیت سے واقف ہونا اور یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کے مختلف قوائے ذہنی یعنی احساس، ادراک، وجدان، تعقل، ترقیٔ علم، میں کس طرح معاون ہوتے ہیں۔ اصل بیج جس سے علم کا پودا اگتا ہے، ادراک ہے۔ طالب علم کا اولین ثمرِ نورس یہی ہے۔ ادراک وہ وقوف ہے جو حصول علم کا تقاضا قوائے حس سے کام لے کر حاصل کرتا ہے۔ یہ نظریہ کہ حصول علم کا تقاضا حقیقتاً حسن اور کمال کی طلب کا نام ہے اور یہی طلب انسان کی تمام سرگرمیوں کی محرک ہوتی ہے، دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ حصول علم کی کوشش جس کا لازمی نتیجہ نفسیاتی نمو ہوتا ہے، دراصل حسن اور کمال کی تلاش ہے جس میں اعضائے حس ہماری مدد کرتے ہیں۔ نظریۂ مذکور کا دوسرا اشارہ یہ ہے کہ ہمارے مدرکات وہ ذہنی نقوش یا تصور ہوتے ہیں جن میں ہم کو کسی قسم یا کسی معیار کا حسن نظر آتا ہے۔

ان اشارات کی تائید ہوتی ہے نفسیات کے اس جدید نظریئے سے جس کو نظریۂ سالمیت (GESTALT THEORY) کہا جاتا ہے۔ اس کو سب سے پہلے جرمنی میں میکس ورٹ ہمیر (MAX WERTHEIMER) نے 1912ء میں پیش کیا تھا۔ بعدۂ متعدد مشاہیر فن نے اس کی تائید کی جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر ولفنگ کوہلر (WOLFANG KOHLER) اور کرٹ کیفکا (KURT KAFFKA) ہیں۔ نظریہ یہ ہے کہ ادراک حاصل ہوتا ہے اک قسم کی بصیرت یا وجدان سے، وجدان ہی سے طالب علم کو کسی شئے یا صورت حال کا وقوف بہم پہنچتا ہے،

مگر اس وقوف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زیرِ مشاہدہ شئے یا پیش آمدہ صورتحال گردوپیش سے ممیّز اور اپنی جگہ منفرد سالمیت بنی ہوئی ادراک میں آتی ہے۔اس سالمیت کی ساخت میں اک ربط و نظم ہوتا ہے جو اس کو منفرد وحدت بنا دیتا ہے، یہ سالمیت جو کو ہم بہ حیثیت مجموعی یکجائی طور پر محسوس کرتے ہیں بعد کو کسی نام سے موسوم ہو جاتی اور اِک تصور بن جاتی ہے جو کسی خارجی حقیقت کی نمائندگی کرتا ہے۔ بڑے ہو کر ہم کو اس دنیا کی محسوس موجودات معنویت سے معمور نظر آتی ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے پہل ہم کو ان کا ادراک منفرد سالمیت کی صورت میں ہوا تھا اور ہر سالمیت اس طرح حلقہ بند تھی کہ ماحول سے صاف منقطع نظر آتی تھی کیونکہ داخلی طور پر قدرت نے اس کو منظّم و مربوط سالمیت بنا دیا تھا۔اس لیے رفتہ رفتہ جب دنیا کی محسوس اشیاء ہمارے حسیات میں داخل ہوئیں تو معنویت اسی قدرتی نظم وضبط کے مطابق پیدا ہوتی رہی، ہر سالمیت اس حد تک کہ اس میں صفتِ سالمیت موجود ہوتی ہے؛ خیر، حسن اور صداقت کی حامل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

مابعد الطبعیات کے علم کا عملی زندگی کا روحِ رواں ہونا

یہ وطیرہ کچھ سائنس دان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے، ہم میں سے ہر شخص ان دیکھی باتوں پر یقین رکھتا ہے یہی نہیں بلکہ اسی یقین کے مطابق عمل کرتا ہے۔ میں جس وقت کہتا ہوں کہ صبح کو سورج نکلے گا یا یہ کہ میرا دوست ضرور اچھا آدمی ہے تو میں ایسی بات پر اپنا یقین ظاہر کرتا ہوں جو ابھی مشاہدے میں نہیں آئی ہے۔عملی زندگی سرتاسر اسی طرح کے مفروضات کے سہارے چلتی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مابعد الطبعیات یعنی وہ علم جو مشاہدے اور تجربے کا عطیہ نہیں ہے ہماری عملی زندگی کی روح رواں ہے اس کے بغیر ہم ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہر واقعہ جس کو ہم حقیقی سمجھتے ہیں؛ ابتداً اک مفروضے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا مگر دوسرے واقعات اس کی تائید میں دریافت ہوتے جاتے ہیں تو اس کو حقیقت کا درجہ ملتا جاتا ہے، اس کے برعکس جدید واقعات جو وقتاً فوقتاً منکشف ہوتے ہیں اگر اس کی تائید نہیں کرتے تو ہم اس مفروضے کو باطل سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں۔مفروضہ دعویٰ اگر مشاہدہ کیے ہوئے واقعات کی معقول توجیہ کر سکتا ہے تو سائنسدان کے نزدیک اس کی وقعت کسی مشاہدہ کی ہوئی حقیقت سے کسی طرح کم نہیں ہوتی

مفروضہ اگر چہ محض ایک یقین یا اعتقاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مبدا عالمِ طبیعی سے ورا ہوتا ہے۔ پھر بھی سائنسداں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن واقعات کا مشاہدہ ہو چکا ہے وہ تو سائنٹفک حقائق ہیں اور جو مفروضہ ان کی خاصی توجیہ کرتا ہے وہ سائنٹفک حقیقت نہیں ہے۔ بعض اوقات تو مفروضہ دعویٰ واقعات مشہود سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے بغیر ان واقعات میں کوئی معنویت نہیں ہوتی اور مزید سائنٹفک حقائق کے انکشاف میں مدد نہیں ملتی وہ مفروضہ یا نظریہ جو واقعاتِ مشہود کی توجیہ کرتا ہے۔ مزید سائنٹفک تلاش و تحقیق کی راہ ہموار کر دیتا ہے جس سے نئے نئے سائنٹفک حقائق کی دریافت ممکن ہو جاتی ہے جو مشاہدے میں آسکتے ہیں اور جو اس نظریئے کے بغیر کبھی علم میں نہ آتے۔ اس طرح یہ مفروضہ رفتہ رفتہ اک سائنٹفک حقیقت اصلیہ کی حیثیت سے پختہ اور استوار ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

علم بالقلب

(قلب ، روح اور نفس)

علم بالقلب یا وحی خداوندی پر گفتگو کرتے ہوئے لفظ 'قلب' اور اس کے ساتھ روح اور نفس کی اصطلاحات بھی قدرے وضاحت طلب ہیں۔ 'قلب' کے لفظی معنی 'بدلنے' کے ہیں جس سے قرآن مجید میں 'تَـقَـلُّـب' بمعنی 'خود بدل جانا' ہے اور 'انقلاب' 'لوٹ جانا' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اسی سے اردو میں قلب ماہیت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یعنی کسی چیز کی ماہیت ہی بدل جانا۔ قلب انسانی جسم کا وہ حصہ ہے جو مسلسل حرکت میں رہتا ہے اور اپنی 'پوزیشن' بدلتا رہتا ہے

معنوی لحاظ سے قلب ایک ایسی صلاحیت کا نام ہے جو روح اور نفس کے درمیان اپنا رُخ یا 'قبلہ' بدلتا رہتا ہے۔ اسی بدلتی ہوئی کیفیت کا احساس انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے دل میں کبھی اچھائی اور نیکی کی طرف میلان پاتا ہے اور اس کے خیالات نیکی اور بھلائی پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ ــــــــــــ ذرا سے وقفے سے انسان کے خیالات برائی اور بدی کی طرف

جھکاؤ ظاہر کررہے ہوتے ہیں اس وقت انسان کے اندر برے خیالات اور برائی کے منصوبے جنم لے رہے ہوتے ہیں۔

'قلب' کی ان کیفیات کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ انسان کے دو وجود جسم اور روح جس مقام پر ملتے ہیں وہ 'قلب' ہے۔ جسم کا حاصل حواس، تعقل اور نفس ہے روح انسانی ایک نوری الاصل وجود ہے اور نیکی، خیر، معرفت خداوندی اور تقرب الٰہی کے خواص کی حامل ہے۔ انسانی قلب معنوی طور پر جب 'روح' کی طرف میلان رکھتا ہے تو انسانی خیالات میں نیکی اور خیر کے جذبات جنم لیتے ہیں اور جب قلب کا رخ یا جھکاؤ نفس کی جانب ہوتا ہے اور ان کے اندر حیوانی وجود یا جسمانی خواہشات اور ان کی تکمیل کا رجحان غالب ہوتا ہے۔

'علم بالقلب' کے حوالے سے انسان کی دو متضاد کیفیات ہوسکتی ہیں۔ جب تک انسان کا قلب روح کی طرف مائل رہتا ہے اور کوشش سے اس کیفیت میں ٹھہراؤ اور دوام کی کیفیت آتی ہے تو انسان کے محسوسات پر 'وحی خداوندی' کا غلبہ ہو جاتا ہے اور انسان اپنے جسم اور اس کی خواہشات کو اس وحی خداوندی کے تابع کر لیتا ہے اور پوری زندگی کے معاملات اس رنگ میں رنگ جاتے ہیں ــــــــــــ جبکہ بعض داخلی اور خارجی عوامل کے زیر اثر کسی انسان کے قلب کا میلان اگر 'نفس' اور 'جسم' کی طرف ہو جائے تو اسی جسم کے بناؤ اور سنوار میں ساری سوچ گم ہو جاتی ہے دنیاوی سہولتیں، عیش و آرام، اچھا کھانا، اچھا رہنا، آرام دہ رہائش اور جسم کی حفاظت کہ اس کو کوئی تکلیف نہ آئے، عزت شہرت، خوشامد اس سوچ کی آخری 'معراج' کی کیفیات ہیں انسان یہ سہولتیں ہر ممکنہ صورت میں حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے سارا علم انہیں COMFORTS کے حصول کے لئے پروان چڑھایا جاتا ہے اور صرف اسی لئے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ روح کی طرف میلان ہو تو ــــــــــــ علم کا سرچشمہ وحی خداوندی ہوتا ہے اور 'جسم' کے ذرائع علم اس روشنی میں کام کرتے ہیں۔

جب قلب کا رُخ نفس کی طرف ہو تو ایک اور خارجی قوت درمیان میں آتی ہے وہ 'شیطان' ہے یہ ایک غیر مرئی قوت ہے اور خالق کائنات نے اسے شر کے نمائندے کے طور پر

انسان کی آزمائش کے لئے قیامت تک کی زندگی دے کر اولاد آدم علیہ السلام کے لئے فریق ثانی کے طور پر بنایا ہے۔ انسانی قلب کی اس کیفیت میں انسان کے اندر برے خیالات، ناپاک عزائم، ظلم وفساد، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، سفلی خواہشات اور جسمانی تقاضے اور جنسی خواہشات کی حد درجہ تکمیل ہی 'مقصد وجود' بن جاتے ہیں اور انسانی جسم کے ذرائع علم کا حاصل بھی انہیں مقاصد کا حصول اور تکمیل رہ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرۃ۔268)

''(دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے''

اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَاتَعْلَمُوْنَ o (البقرۃ۔169)

''اور وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں''

اِنَّ اللّٰہَ لَایَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (الاعراف۔28)

''اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا''

یعنی اگر کسی انسان میں یہ کیفیات ہوں تو ان کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا بلکہ شیطان ہی دیتا ہے

اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَ قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَاتَرَوْنَھُمْ (الاعراف۔27)

''وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے''

یعنی شیطان اور اس کے ذریت انسانی کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں اور قابو کرتے ہیں کہ تم خیال بھی نہیں کر سکتے اسی طرح سورۃ الاعراف میں ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہیں بے لباس کر دے اور اللہ تعالیٰ نے لباس بنایا ہے جو انسانی اعضاء کو چھپاتا ہے اور 'جسم' کے تقاضوں کو وقتی طور پر انسان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے اور یوں انسان اپنی عملی زندگی میں کچھ وقت اعلیٰ نصب العین، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ خیالات اور عفت وعصمت کے تقاضوں کے پورا کرنے سے لگا سکتا ہے۔

'وحی خداوندی' اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر نازل فرمائی جن میں سے آخری

حضرت محمد ﷺ تھے مگر شیطان تا حال اپنے حامیوں پر اپنی وحی اتارتا رہتا ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (الانعام۔121)

''اور شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں''

قلب کا رخ نفس کی طرف ہو جائے اور اس میں ٹھیراؤ بھی آ جائے تو اس مسلسل اور دیرپا کیفیت میں انسان شیطانی خیالات کے تابع ہو جاتا ہے اس کے تحت عمل کر رہا ہوتا ہے۔

اوپر درج ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم بالحواس یا تجرباتی علوم کے اوپر اور اس علم کو زیر استعمال (GOVERN) کرنے والی چیز 'علم بالقلب' ہے۔ تاہم اس علم بالقلب کی عملاً دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں انسان وحی خداوندی کے تابع نظر آتا ہے اور دوسری صورت میں شیطانی وحی کے تابع اور اس کا پرچارک محسوس ہوتا ہے۔

اسی لئے قرآن پاک میں انسان کی تین کیفیات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے

(1) نفس مطمئنّة وہ نفس انسانی کاملۃً وحی خداوندی کے تابع ہے اور اس کا قلب زیادہ وقت اس کیفیت میں رہتا ہے۔ غلطی کا امکان تو حضرت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اس سے توبہ کی گنجائش ہر وقت موجود ہے۔

(2) نفس امّارة جب نفس انسانی کا رخ شیطان کی طرف ہو، انسانی خیالات میں برائی، بے حیائی، بے راہ روی اور حیوانی سطح کی زندگی کا رجحان غالب ہو۔

(3) نفس لوّامة ایسے انسان کا نفس جو اوپر درج دو انتہاؤں کے درمیان رہتا ہے اور کبھی روح کی طرف اور کبھی شیطان کی طرف جھکاؤ اختیار کر لیتا ہے اکثر انسانوں کی کیفیت اسی صورت کے مطابق ہوتی ہے۔

قلب انسانی کے روح کی طرف مائل ہونے اور شیطان کی طرف مائل ہونے کی کیفیت کو حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ نے یوں تعبیر فرمایا ہے:

''شیطان قلب انسانی پر تھوتھنی لگائے پھونکیں مارتا رہتا ہے اور انسان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے''

گویا حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ جب تک انسان کے قلب کا رخ

روح کی طرف رہتا ہے اس کی سوچ اور فکر کا انداز انسانی اور اعلیٰ اقدار کا مرقع ہوتا ہے۔ جیسے ہی داخلی اور خارجی اثرات کے تحت قلب کا رُخ روح کی طرف ہٹتا ہے تو انسان جلد ہی اپنے آپ کو شیطان کے نرغے میں پاتا ہے اس انسان کی سوچ پر اپنی ذات اور ذاتی مفادات اور دوسروں کو نظر انداز کرنے اور ان کے حقوق غصب کرنے کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ یہ کیفیت وقتی ہو اور انسان جلد روحانی کیفیات کی طرف لوٹ آئے تو یہ صورت پسندیدہ ہے اور یہی کیفیت کہ انسان شیطان کے نرغے میں آ گیا ہے غالب آجائے تو انسان حیوانی سطح تک گر جاتا ہے۔

اجتماعی سطح پر شیطان کا غلبہ

انسان کی انفرادی حیثیت سے قلبی کیفیات بدلنے کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ اجتماعیت میں قومی اور ملکی اور تہذیبی سطح پر ہر فرد بشر کی کیفیت کے مجموعے کے کچھ اثرات ہیں جو ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ مجموعی کیفیت کسی قوم اور ملک کی اجتماعی سوچ وفکر کی آئینہ دار بن جاتی ہے اور قومی و ملکی نفسیات اور رویوں کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔

بالفاظ دیگر ــــــــــــ جس طرح کوئی ایک فرد نوع بشر بعض ذاتی اور اجتماعی نیز داخلی اور خارجی وجوہات سے شیطان کے زیر اثر چلا جاتا ہے اور روح اور وحی سے اس کا رشتہ آہستہ آہستہ منقطع ہو جاتا ہے' اسی طرح اجتماعی سطح پر کوئی قوم اپنے ہاں کے بعض داخلی اور خارجی عوامل کی وجہ سے شیطان کے زیر اثر ہو جاتی ہے اور ہوتے ہوتے بعض اوقات کوئی قوم شیطان کی پارٹی (حزب الشیطان) بن جاتی ہے اور نہ صرف خود اعلیٰ انسانی اخلاق و اوصاف سے عاری ہو جاتی ہے بلکہ اس کی داعی اور پرچارک بن کر برائی اور بے اصولی کی چمپئن ہونے کی دعوے دار بن جاتی ہے۔

کوئی انسان شیطان بن جائے یا کوئی قوم حزب الشیطان بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ فرد بشر یا قوم صد فی صد بری بن جاتی ہے اور اس میں کوئی انسانی خوبی اور قدر (VALUE) باقی نہیں رہتی بلکہ بعض خوبیاں ایسے افراد اور قوموں میں بھی باقی رہتی ہیں۔ تاہم ہر کام کے پیچھے ایک قوت محرکہ (MOTIVATING FORCE) ہوتی ہے اس کے بدل جانے سے اس کام کے اثرات اور نتائج بدل جاتے ہیں پھر آہستہ آہستہ انسانی رویے بدل جاتے

ہیں پھر ذاتی اغراض اور قومی اغراض اور اہداف ہی ساری تگ و دو اور محنت کا ہدف رہ جاتا ہے ایسی قوم اگر بظاہر کوئی نیکی اور خیر کا کام کرتی بھی ہے تو اس سے ان کی غرض نیکی اور خدمت خلق نہیں کچھ اور ہی مقصود ہوتا ہے۔ گویا اگر سچائی (HONESTY) ہے بھی تو ایک پالیسی (POLICY) کے طور پر۔ جہاں جھوٹ بولنے میں ذاتی یا قومی فائدہ نظر آئے فوراً جھوٹ بول کر کام نکال لو۔ قوموں کے عروج کے دور میں بگاڑ کی یہی شکلیں ہیں اور افراد کے ایسے ہی بے جان رویے ہیں جو اس قوم کو تباہی اور اجتماعی موت یا دوسروں کی غلامی کے مرحلے تک پہنچا دیتے ہیں۔ قومیں اپنے نظریات پر کھڑی ہوں اور آزاد ہوں تو زندہ قومیں کہلاتی ہیں، نظریات کمزور ہو جائیں تو بیمار قومیں اور ایک حد سے زیادہ بگاڑ کی صورت میں دنیا کی قیادت کے منصب سے معزول ہو کر دو چار عشروں میں ماضی کے دھندلکوں میں گمنام یا دوسرے کے زیر دست اور محکوم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

یورپ میں علم کا فروغ ـــــــ مغرب کا عالمی غلبہ

آج کے مغرب کی بالادستی اور عالمی غلبہ کوئی صدی نصف صدی کا قصہ نہیں ہے بلکہ بالادستی کی یہ جنگ گزشتہ چھ صدیوں سے جاری ہے اور روز اول سے ہی بڑے بھونڈے انداز میں جاری ہے۔ چنانچہ مشہور امریکی مصنف سیموئیل پی ہنٹنگٹن اپنی تصنیف ''تہذیبوں کا تصادم'' (CLASH OF CIVILISATION) میں مغربی بالادستی کا باعث بننے والے عوامل پر بحث کرتے ہوئے تسلیم کرتا ہے کہ

> ''ـــــــ 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔
>
> بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے۔ (ترجمہ عبدالمجید طاہر)

اس مغربی تہذیب کے زمانہ عروج حصول علم اور فروغ علم میں علم بالحواس یا تجرباتی علوم کے زیر سایہ ابھرنے والے فلسفہ حیات، فلسفہ کائنات کے خدوخال کیا ہیں؟ اور دور جدید کی اہم پانچ صدیوں میں مغرب نے مادی اور تجرباتی علوم نیز فکر و فلسفہ کے میدان میں علم بالقلب کے ساتھ کیسے رشتہ جوڑا ہے؟ اور نسل انسانی پر اس کے اثرات کیا پڑے ہیں؟ ان کی مختصر سا جائزہ درج ذیل ہے۔ (یہ نکات حکمت بالغہ کے حقیقت علم نمبر (ماہ اگست 2008ء) سے یہاں نقل کیے جارہے ہیں)

کتاب فطرت کا مطالعہ کرتے کرتے
مغربی مفکرین کا ایک غلط فیصلہ

آج سے پانچ سو سال پہلے اپنے گرد و پیش کی کائنات کے بارے میں ناگزیر تجربات سے گزر کر تجرباتی علوم کے ساتھ سوشل سائنسز کی ترقی کے ابتدائی مراحل میں ہی انسان نے جب کائنات پر غور کیا تو اسے بڑے بڑے حسین اور دلربا حقائق سے سابقہ پیش آیا اگر یہ سلسلہ کسی بڑے حادثے کے بغیر فطری انداز میں آگے بڑھتا تو انسان اپنے رب اور خالق حقیقی کو جلد ہی پالیتا اور اس کی معرفت اور پہچان کا مرحلہ آسانی سے سر ہو جاتا نیز ــــــــــ اس کے نتیجہ میں انسان روئے ارضی پر اپنے آپ کو اس خالق ارض وسماء کا ''خلیفہ'' اور بندہ سمجھ کر زندگی گزارنے میں صرف فخر ہی محسوس نہ کرتا ــــــــــ اپنے لئے خوش نصیبی کی معراج سمجھتا۔

مگر کیا کیا جائے ــــــــــ اس وقت یورپ میں عیسائیت کا فروغ تھا اور بادشاہ اور رعایا کے تمام معاملات پوپ (POPE) کے اختیار میں تھے اور چونکہ ان کے ہاں تثلیث (TRINITY) کا عقیدہ بنیادی اہمیت کا حامل (CORNER STONE) عقیدہ ہے؛ لہٰذا ــــــــــ اس عقیدے کے منطقی تقاضے کے طور پر کائنات پر ایسا غور و فکر جس سے غیر منطقی عقیدے پر زد آتی ہو ــــــــــ گردن زدنی تھا اور ہر ایسے فعل کی سزا ــــــــــ سزائے موت تھی۔

یاد رہے کے یہ معاملہ صرف مذہب کا نہیں ہے بلکہ مذہب کے کسی خود ساختہ ایڈیشن کا

ہوسکتا ہے جس میں تصورات DISTORTED اور PERVERTED ہو جاتے ہیں اس وقت یورپی سائنسدانوں کا سابقہ اگر اسلام سے پیش آیا ہوتا تو یقیناً مذہب اور سائنس کا یہ ٹکراؤ ہرگز پیش نہ آتا جو عیسائیت کے علمبرداروں سے پیش آ گیا۔

چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ کئی ابتدائی محققین اور سائنسدانوں کو بے رحمانہ انداز میں سزائے موت دے دی گئی۔ جس سے ایک نتیجہ یہ نکلنا چاہیے تھا کہ تمام ایسے اہل علم اور دانشور دائیں بائیں مشاہدہ کر کے کسی ایسے مذہب کو قبول کر لیتے جو اس سائنسی ترقی اور سوشل سائنسز کی ترویج کو قبول کر سکے اور اس کا ساتھ دے سکے اور اس راستے میں مزاحم نہ ہو؛ اس لئے کہ بڑی فطری بات ہے کہ انسان جب کہیں کوئی تصویر لگی ہوئی دیکھتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ 'کیا شاندار تصویر بنائی ہے مصور نے' مصور کے بغیر تصویر کا تصور انسانی ذہن کے لئے ناقابل قبول ہے تو یہ کائنات اور اس کی تمام دلکشی اور رعنائی اور دلچسپ مناظر، دریاؤ کی روانی، جھیلوں کا سکوت چشموں کے دلآویز نظارے، جنگلوں پہاڑوں میدانوں ریگستانوں اور مرغزاروں میں اچھلتی کودتی دوڑتی حیوانی حیات کے لامتناہی سلسلے، مور کا پر کھولنا، کوئل کی کوکو، بلبل کا نالہ، فاختہ کا اضطراب، ہرن کی چھلانگ، شیر کی لپک، چیتے کی نگاہ، بکری کا ممیانا اور بھیڑ کی سادگی ——————— کیا کسی خالق، فاطر، باری، مصوّر، جمیل اور صاحب جمال ہستی کا پتہ نہیں دیتی۔

کبھی راہ گزرتے ہوئے یا سڑک پر جاتے ہوئے اگر راستے میں کچھ اناج کے دانے گرے ہوئے نظر آ جائیں تو انسان سوچتا ہے کہ کسی گدھا گاڑی یا کسی ٹھیلے سے بوری وغیرہ میں سوراخ ہونے پر گر گئے ہوں گے لیکن ذرا غور کیجیے اگر یہی سو دو سو گرام اناج کے دانے سڑک پر ایسے منظّم انداز میں سائنسی شکلوں دائروں مثلث مربع یا مخمس کی شکل میں ترتیب دیئے ہوئے نظر آ رہے ہیں تو لامحالہ ذہن انسانی اس طرف جائے گا کہ اس عمل کے پیچھے لازماً کوئی ذہین ہستی کارفرما ہے اس کے علاوہ انسان کی سوچ کہیں جا ہی نہیں سکتی۔

ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچئے اگر انسانی تجربہ اور مشاہدہ فطری انداز میں نشوونما پاتا اور ترقی کرتا تو اس کائنات میں ہر جگہ جو نظم، حسن ترتیب اور کمالِ ضبط نظر آتا ہے وہ کس کے دستِ قدرت اور جمال وجلال کا مظہر ہے؟ یقیناً ایک خالق و مالک رب العالمین کا۔ بقول سعدیؒ:

برگ درختانِ سبز درنظر ہوشیار
ہرورقے دفتریست معرفت کردگار

اورانسان غیرجانبدارانہ سوچ کا سفرکرے تولازماًپکاراُٹھتاہے کہ بقول شاعر ؎

ہر کہ ما بینم جز توئے تو نیست　　یا توئی یا بوئے تو یا خوئے توست

اس نقطۂ نظرسے سائنسی علوم آگے بڑھتے اورعقل کا استعمال ہوتا تو یہ چیز معرفت خداوندی کا ذریعہ بنتی اورخداشناسی کا جذبہ عام ہوجاتا۔

اگرسائنس کو ــــــــــــــ چاہے مادی علوم ہوں یاسوشل سائنسز ــــــــــــــ ایسا مثالی ماحول میسرآجاتاتو تمام انسان اورمعاشرہ جلدایک جنت ارضی کانقشہ پیش کررہے ہوتے ہرجگہ سائنسی ترقی کے ساتھ عدل وانصاف، کفالت عامہ کاتصور، شرم وحیا، عفت وعصمت کی حفاظت اورجان ومال کاتحفظ جیسی اقدارکاراج ہوتا، اوراس ترقی وخوشحالی کے ثمرات دنیامیں پسماندہ اقوام، غیرترقی یافتہ اقوام اورتیسری دنیاکےلوگوں تک بھی جاپہنچتے۔مگرحضرت انسان کی بدقسمتی کہ ایسانہ ہوسکا ــــــــــــــ ایک سوچے سمجھے منصوبے کےتحت چندخاص دماغوں نےمل بیٹھ کرتمام انسانوں اوران کی آئندہ نسلوں کے لئے بھی تباہی کا فیصلہ کرلیا' اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ مذہب(آسمانی ہدایت، خداکاتصور، آخرت کاتصور، انبیاءکرام علیہم السلام اوروحی کاتصوروغیرہ وغیرہ) اورسائنس کارشتہ کاٹ دیاجائے اورسائنس کےآگے بڑھنے اور پھیلاؤ کاعمل خدااورآسمانی وحی کےاصولوں اورضابطوں کےمطابق نہیں بلکہ ماحول اورضرورت کےمطابق خودساختہ اصولوں اور ضابطوں کےتحت ہوگا ــــــــــــــ اس طرح آئندہ کےتجرباتی علوم اورسوشل سائنسزپرعقل کےتعامل کےمراحل میں کیاکرناہےاورکیانہیں کرنایہ فیصلہ ایک خفیہ نادیدہ منظّم استحصالی گروہ کے ہاتھوں میں چلاگیا۔بدقسمتی سے یورپ میں عیسائیوں کےاندرہی ایک طبقہ عیسائی عقائدسے بیزار تھااورتثلیث وغیرہ کی نامعقولیت پرصدائے احتجاج بلندکرتا رہتاتھااس طبقہ کواس دورمیں ایک غیرعیسائی قوت نے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیااورزبردست احتجاج اورخون خرابے کے بعد عیسائی چرچ سےاس عیسائی گروہ نے اپنے لئے سودکی اجازت حاصل کرلی تھی اس کامیابی پرابھی اس عیسائی طبقے اوراس کےسرپرستوں میں خوشی کاجشن ٹھنڈانہیں پڑاتھاکہ سائنسی علوم کےمجموعی

کائناتی تصورات کا مرحلہ آ گیا اور عیسائی مذہبی قیادت (پوپ) نے سائنسی علوم کے علمبردار اور کئی موجد حضرات کو موت کی سزا دے دی جس سے فطرتاً لوگوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

اس طبقے نے آگے بڑھ کر اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور سائنسی علوم کے نتیجے میں معاشرتی، سیاسی اور معاشی سطح پر جو نظریات و خیالات سامنے آنے والے تھے ان کو آزاد اور فطری انداز میں آگے بڑھنے کے عمل کو روک دیا اور مذہب اور مذہبی ذہن سے آزادی کا نام دے کر اس تحریک کے قائد ہونے کی بنیاد پر اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

مزید برآں عیسائیت کے غیر معقول عقائد، پوپ کے مظالم، بادشاہوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف عوام کی نفرت سے فائدہ اٹھا کر ــــــــــــ سائنسی علوم کی پیش رفت کی وجہ سے عوام کو جو فائدہ ہونے والا تھا اور اس کی برکات و ثمرات ہر شخص کی دہلیز پر پہنچنے والے تھے ــــــــــــ اس طرح اس عمل کا راستہ روک دیا ــــــــــــ اس تحریک کا نام تاریخ کے صفحات میں ''علم کا احیاء'' یا RENAISSANCE کی تحریک ہے۔

اس تحریک کا ماٹو (MOTTO) یہ تھا کہ علم کی ترویج و ترقی کی راہ میں مذہب کی مداخلت برداشت نہ کی جائے جس سے اس خاص یورپی ماحول میں عوام و خواص میں اس تحریک کو حمایت حاصل ہوئی اور اس تحریک کے حق میں رائے عامہ جلد ہی ہموار ہوگئی اور اس تحریک کے مقاصد کو قبول عام حاصل ہوگیا۔ یورپی عوام کو تو شاید آج پانچ صدیاں بعد بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ اس احیائے علوم کی تحریک کے مقاصد کیوں نہ حاصل کیے جا سکے تاہم اس تحریک کی کامیابی سے فلسفہ کے میدان میں چند بنیادی گمراہ کن رہنما اصول اور فیصلے کسی میٹنگ میں طے کر کے محفوظ کر لئے گئے تھے اور جو آج تک مغربی فکر اور فلسفہ کے علمبرداران اور حامیان میں GUIDING PRINCIPLES کے طور پر ''آسمانی وحی'' سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اس اصولی فکری انحراف سے فلسفیانہ سطح پر جو تبدیلی آئی وہ یہ تھی کہ:

☆ اب آسمانی باپ، خدا، اللہ، GOD کا نام سائنس اور فلسفہ میں ہرگز استعمال نہیں ہوگا۔

☆ وحی، ہدایت، آسمانی رہنمائی، خدا کی مرضی، آسمانی حکومت، نبی، پیغمبر علیہ السلام کے الفاظ بھی اپنی جگہ کتنے ہی مقدس سہی سائنس اور فلسفہ کے میدان میں متروک متصور

ہوں گے۔

☆ حیات بعد الممات یا موت کے بعد زندگی، جنت، دوزخ، فرشتے اور قبر کی اصطلاحات کا استعمال ممنوع ہوگا۔

☆ روح، روحانی زندگی، بزرگی، ولایت وغیرہ کے الفاظ بھی نوک قلم پر نہیں آئیں گے۔

اس ساری کوشش کا حاصل یہ ہوا کہ اس تمام محنت کے نتیجے میں اب جو فلسفہ سامنے آنے لگا اور آج تک مغرب کے فکری خزانے سے برآمد ہو رہا ہے ـــــــــــــــ اس کے اہم نکات یہ ہیں کہ

☆ خدا کے مقابلے میں کائنات پر بحث کرتا ہے خدا ہے یا نہیں اس سے بھی بحث نہیں۔

☆ آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی بہتری فلاح و بہبود پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے

☆ روح کے مقابلے میں جسمانی اور مادی زندگی اور اس کی لذات اور ان کا حصول اصل مطمع نظر قرار دیا ہے۔

☆ انبیائے کرام علیہم السلام، وحی، فرشتے، آسمانی ہدایت کے الفاظ اب سائنس وفلسفہ کا موضوع نہیں بلکہ زندگی میں حلال وحرام اور اختیار ورد کرنے کی بنیاد سائنسی تحقیق اور سائنسدانوں کے خیالات قرار پا گئے۔

علوم کا احیاء ـــــــــ وقت کی ضرورت

علم صرف معلومات کے خزانے کا نام نہیں، مختلف کتب کے حوالہ جات کا نوک زبان ہونا اور کئی ہزار افراد کے زندگی کے حالات از بر ہونا یا تاریخ انسانی کے مختلف ادوار پر نگاہ ہونا علم نہیں۔ بلکہ علم نام ہے ایسی ناگزیر حقیقتوں تک ذہنی اور فکری رسائی کا جس سے انسان کا باطن اور وجدان اپنے بھلے اور بُرے کی پہچان کرتے ہوئے اندرونی اور بیرونی داعیات کے تحت مقصد وجود کے حصول کی خاطر زندگی گزارنے کا عزم کرنے پر تیار ہو جائے۔ ایسا ہی باعلم شخص عالم کہلانے کا مستحق ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا(فاطر: 28)

''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں''

معلومات کی فروانی اور حقیقی علم کے فرق کو علامہ اقبال نے کرم کتابی (کتاب کو چٹ کر جانے والی دیمک) اور پروانے کے درمیان ایک مکالمہ سے واضح کیا ہے۔ ؎

شنیدم شبے در کتب خانہ من — بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
باوراق سینا نشیمن گرفتم — بسے دیدہ ام نسخہ ءِ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمتِ زندگی را — ہمہ تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے — کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را — تپش می دہد بال و پر زندگی را

ترجمہ: ''میں نے ایک رات اپنے کتب خانہ میں کتاب خور دیمک اور پروانہ کی یہ گفتگو سنی کہ دیمک پروانے سے کہہ رہی تھی کہ میں نے ابن سینا کی کتابیں بھی ہضم کر لی ہیں اور فارابی کے نسخۂ علم وحکمت بھی چٹ کرلیا ہے مگر زندگی کی حکمت سے ابھی عاری ہوں اور میری صبح وشام روشنی سے محروم ہیں۔ نیم سوز پروانہ نے کہا کہ (دوست) یہ نکتہ کتابوں میں نہیں ملتا۔ تپش (عشق) زندگی کو زندہ کرتی ہے اور تپش سے ہی زندگی نشوونما پاتی ہے''۔

اسی حقیقت کو صوفی بلھے شاہ نے اس طرح واضح کیا ہے:

؎ اکو الف تیرے درکار — علموں بس کریں او یار

اور اسی طرف اشارہ ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی زندگی کی کایا پلٹ ہونے کے واقعات میں، اور یہی وہ رمز ہے جو پوشیدہ ہے حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ اور ان کے مرشد شمس تبریز رحمہ اللہ کے درمیان اس تاریخی مکالمہ میں جو اہل علم جانتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم — تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

اور اسی نکتہ کو سمجھایا گیا ہے اس شعر میں کہ بوعلی سینا ایک فلسفی تھے اور مولانا روم ایک حکیم الامت اور مصلح ملت ومحی الدین ؎

بو علی اندر غبار ناقہ گم دست رومی پردہ محمل گرفت

یہ اکیسویں صدی ہے اور دنیا میں انسانوں کی تعداد 650 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے علم کی فراوانی ہے اور انسان زمین کی غاروں سے لے کر آسمان کی پنہائیوں تک رسائی کر رہا ہے اور فضا میں اپنے نظام شمسی سے نکل کر اس سے ماوراء معلومات حاصل کرنے میں مصروف ہے۔

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے معلومات کا ایک بے کراں سمندر انسان کے سامنے کر دیا ہے، ہر شخص خود نمائی تو چاہتا ہی ہے جو کچھ اسے معلوم ہے یا جو کچھ کر سکتا ہے یا جو کچھ وہ دوسروں کو دکھا سکتا ہے وہ ایک ویب سائٹ بنا کر انٹرنیٹ کے میدان میں برائے ملاحظہ پیش کر دیتا ہے' کئی باصلاحیت اور باحیثیت لوگوں کی سینکڑوں ہزاروں ویب سائٹس ہیں۔

معلومات کے اس سمندر میں انسان کے لئے دیکھنے کو وہ کچھ ہے جس کے لئے اس کا دل چاہتا ہے اور جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، پڑھنے کو وہ کچھ ہے جو اپنے مزاج امنگ اور افتادہ طبع کے مطابق آپ چاہیں۔ اگر کوئی آدمی صرف ناگزیر انسانی ضرورت کے لئے وقت نکال کر باقی سارا وقت کمپیوٹر سے معلومات حاصل کرنے میں لگا دے تو بھی شاید وہ ساری معلومات کے کسی ایک قلیل حصے (MINOR FRACTION) تک ہی پہنچ پائے۔ اس پر مستزاد ہمارا بڑا اسکرین ٹی وی ہے اور تھیٹر ہے اور پھر پرنٹ میڈیا ہے اخبارات، رسائل اور کتب کی بہتات ہے۔

معلومات کی اس ساری گہما گہمی اور فراوانی کے باوجود انسان حیران و پریشان ہے انسانیت پریشان ہے، اہل علم پریشان ہیں، پروفیسر، دانشور، ماہرین تعلیم متفکر ہیں کہ معلومات کا یہ سیلاب انسان کو کہاں لے جائے گا۔ والدین اپنے بچوں کے بارے میں متفکر ہیں، بچوں کے لئے میٹرک سے نیچے لیول پر ہی اتنا بڑا نصاب ہے اور کتب کا بوجھ ہے کہ الامان!! پھر ان کے لئے دلچسپی کے اور سامان ٹی وی، ویڈیو گیمز اور کمپیوٹر انٹرنیٹ ــــــــــــ اس علم سے استفادہ کے امکانات اگلی نسل کے لئے محدود ہوتے جا رہے ہیں استاد اور ماہرین تعلیم کی سروے رپورٹ بتا رہی ہیں کہ بچے پڑھتے نہیں، تعلیم پر توجہ نہیں دیتے۔ ایک طرف معلومات کی فراوانی اور دوسری طلب معلومات میں یہ بے دلی اور بے رغبتی۔ غور و فکر کا مقام ہے کہ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا یہ

انقلاب دوراں کیسے واقع ہو گیا آخر ہمارے آباؤ اجداد نے ہی یہ علم کی شمعیں روشن کی تھیں ان سے استفادہ کرتے کرتے آج ہم یہاں تک پہنچے ہیں پھر علم سے سیری اور بے رغبتی چہ معنی دارد؟ یہ مرض صرف چند طلباء یا چند خاندانوں تک نہیں بلکہ یہ ملکوں میں پھیل چکا ہے اور ترقی یافتہ ملکوں میں اس کا عنصر زیادہ اور ترقی پذیر ممالک میں قدرے کم ہے۔

اس سے پہلے کہ دور حاضر میں تعلیمی درسگاہوں میں علم کی ناقدری اور استاد کی عزت کی پامالی کی وجوہات جاننے کی کوشش کی جائے اور پھر اس کے ازالے کے لئے اقدامات سوچے جائیں یہ بات از حد ضروری ہے کہ دور حاضر کے ''علم'' اور ''معلومات'' کی نوعیت بھی سامنے لائی جائے تا کہ قاری کو اندازہ ہو سکے کہ آج کے تعلیمی کارپردازان ہمارے نونہالوں کے ذہنوں میں کیا انڈیل رہے ہیں اور کیا از بر کرا رہے ہیں؟۔

اگر گزشتہ ایک صدی کے اعلیٰ علمی حلقوں کی مصروفیات اور علمی مباحث اور نتیجتاً نصف صدی کے تعلیمی سلیبس اور اساتذہ اور طلباء کے تعامل (INTER ACTION) کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو شاید یہ سارا ذخیرہ 'غرق مے ناب' ہونے کے قابل تو ہو 'علم' کہلانے کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا

آیئے پہلے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ 'العلم' کی تفصیلات اور شاخیں کیا کیا ہیں اور ان سے علم کے گونا گوں شعبے کیسے وجود میں آتے ہیں۔

اَلعِلمُ عِلمَانِ

تجرباتی علوم	وجدانی علوم
ACQUIRED KNOWLEDGE	REVEALED KNOWLEDGE
اصطلاحات: مادی علوم، اشیاء کا علم	اصطلاحات: وجدان کشف الہام
علم بالحواس،	رؤیائے صادقہ
علم بالعقل، تعقل	وحی نبوت، شیطانی القاء
ذرائع: حواس انسانی + عقل	ذرائع علم: عقل + قلب
LOGIC, RATIONALITY	ANTITAUON : TOOLS

وجدانی علوم

(REVEALED KNOWLEDGE)

تجرباتی علوم کی طرح وجدانی علوم کے بھی دو بڑے حصے ہیں مگر نوعیت میں ذرا مختلف ہیں۔اس اختصار کی تفصیل یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر باشعور انسان کو خیر اور شر نظر آتا ہے اور خیر و شر باہم دست و گریباں بھی بلکہ ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے درپے۔کائنات میں خیر و شر کا یہ معرکہ ابتدائے حیات انسانی سے جاری ہے۔خیر کے نمائندے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے مخلص متبعین صحابہ کرام ﷺ اور ان کے زیر اثر دیگر اچھے باعمل مسلمان لوگ ہیں' جب کہ شر کا نمائندہ شیطان لعین ہے اور اس کے ساتھ جنّوں اور انسانوں میں بے ضمیر اور بے اصول لوگ جو مل کر شیطانی ایجنڈے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اس طرح علم بالقلب یا 'وحی' یا وجدانی علوم (REVEALED KNOWLEDGE) کی تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں دو مختلف انسانوں کے بارے میں بات کرنا ہے۔ایک وہ جو قرآن مجید کے نزدیک عقل سلیم، قلب سلیم، اور فطرت سلیم کا مالک ہے اور دوسرا وہ جس نے عقل، قلب اور فطرت کو وحی خداوندی کے تابع نہ کر کے ایک شیطانی راستہ اختیار کر لیا ہے اور قرآن مجید کی اصطلاح میں 'کَالْاَنْعَام' کی کھائی میں گر چکا ہے یہ انسان نما حیوان ہے، اس کی ساری سوچ حیوان ہی کی سوچ ہے، حیوانوں کی طرح ایسے انسان کی زندگی میں شرم و حیا، لباس، رحمی رشتوں کا لحاظ، اخلاق، حلال و حرام قسم کی چیزوں کی تلاش بے معنی ہے۔

تجرباتی علوم

(ACQUIRED KNOWLEDGE)

تجرباتی علوم کے دو بڑے شعبے ہیں۔جیسے جیسے تجرباتی علم آگے بڑھتا ہے اس علم سے انسان کی سوچ اور فکر بھی متاثر ہوتی ہے اور نقطہ نظر بھی۔کسی عام انسان کو معلوم ہو جائے کہ ہوا میں آکسیجن نام کی گیس ہے جو انسانی زندگی کے لئے بنیادی اہمیت کی حاصل ہے اس لئے فضا کو پراگندہ اور مکدر نہیں کرنا چاہیے تو اس کا طرز عمل آئندہ ذرا محتاط ہو جائے۔اسی طرح تجرباتی علوم کے فروغ سے انسانی سوچ اور فکر کے سامنے نئے میدان آ گئے اور زندگی اور اس کے سارے

پہلوؤں کو انسان نے جدید زاویہ ہائے نگاہ سے جانچنا شروع کر دیا۔ اس سے تجرباتی علوم کے دونوں شعبے علیحدہ علیحدہ تشکیل پا گئے

تجرباتی علوم

ACQUIRED KNOWLEDGE

مادی اشیاء کا علم (SCIENCE)

مادی اشیاء کے خواص کا علم (MATERIAL SCIENCES)

انسان اور انسانی رویوں کا علم (SOCIAL SCIENCOS)

فلسفہ

عمرانیات

POLITICO SOCIO

ECONOMIC SYSTEM

+ STATE CRATE.

انسانی اجتماعیت کے رویوں، تقاضوں اور ضرورتوں کا علم + سماجی، معاشی، اقتصادی + شہری، قانونی، آئینی، سیاسی اور ریاستی امور

مابعد الطبعیات

METAPHYSICS

انسان کی حقیقت، علم کی حقیقت، زندگی کی حقیقت، حیات اور موت، اخلاق، موت کے بعد کے معاملات پر غور و فکر

اب تک کی گفتگو کا حاصل چند چارٹس کی شکل میں پیش خدمت ہے وجدانی علم، القائے رحمانی کے زیر اثر ہو تو سابقہ اسلامی احیاء العلوم کی تحریک کی طرح فلاح انسانیت کا ضامن ہے اور اگر وحی کے انکار کے بعد القائے شیطانی کے زیر اثر ہو تو موجودہ مغربی تہذیب و فکر کی طرح انسانیت کے لئے تباہ کن ہے۔ یہی دجالیت ہے یعنی دھوکہ اور بدترین استحصال۔

چوتھا حصہ

ریاست، نظام تعلیم، معلم

☆ متفرق تحریریں

☆ احیاء العلوم کی مجوزہ تحریک کا حاصل

☆ وحی اور لادین فلاسفہ

غیروں کی تعلیم سے قوم کے نظریاتی وجود کا فنا ہونا

جس حد تک نظریاتی مسلک والی کوئی قوم دوسری قوم کی تبلیغ سے متاثر ہوجاتی ہے، اسی حد تک اس کا اپنا وجود معدوم ہوجاتا ہے، بلکہ اس میں ضعف پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اس کا مزید اثر قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتی ہے۔ رفتہ رفتہ بیرونی تعلیم کا مواد اندرونی نظام تعلیم میں راہ پاجاتا ہے اور وہ روز بروز اپنا نفوذ بڑھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سرتاپا چھا جاتا ہے۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ عملاً قوم کا ذہنی ارتداد مکمل ہوگیا اور اس نے غیر مسلک کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ کسی قوم کا نظریاتی وجود ختم ہوجانا، علامت ہے کہ سیاسی وجود پہلے ہی مٹ چکا ہے یا جلد ہی مٹنے والا ہے۔ کوئی نظریاتی قوم اگر چاہے کہ جو ہے وہی رہے اور اپنا وجود فنا نہ ہونے دے تو اس کو اسی پر بس نہ کرنا چاہیے کہ گھر کے اندر جو نظام تعلیم جاری ہے، وہ اٹھتی ہوئی نسل میں جماعت کے نظریاتی مسلک کے ساتھ محبت پیدا کرنے کا ضامن ہو بلکہ یہ فکر بھی رکھنی چاہیے کہ کسی غیر جماعت یا جماعتوں کے نظریات اس محبت میں تخفیف یا نقص پیدا نہ کرنے پائیں۔ بدن کی صحت تقاضا کرتی ہے کہ بدن کو تمام بیماریوں کے مہلک جراثیم سے محفوظ و مامون رکھا جائے، اسی طرح نفسیاتی ارتقا چاہتی ہے کہ تمام اجنبی تصورات کے مضر اثرات سے نفس کو محفوظ و مامون رکھا جائے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

تعلیم۔نصب العین سے ہم آہنگ رجحانات کی منتقلی کا نام ہے

تعلیم بجز اس کے کچھ نہیں کہ نصب العین سے ہم آہنگ جو تصورات، جو حقائق، جو عادات، رویے، خیالات، رجحانات، اغراض اور صناعیاں عزیز ہوگئی ہیں، جو رغبتیں اور نفرتیں دل میں بس گئی ہیں، جن امیدوں اور عزائم سے پیار ہے' مختصر یہ کہ نصب العین اور اس کے تقاضوں سے جو الفت ہے، وہ ایک قلب سے دوسرے قلب میں منتقل ہوجائے، ظاہر ہے کہ جب تک دو دل باہم محبت نہ کریں، ایک دوسرے کے محبّ ومحبوب نہ بنیں اس وقت تک انتقال محبت کا عمل ظہور میں نہیں آسکتا۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

سائنسی کتابوں کے نام اور عنوانات کا تعین

وہ شخص جو زندگی کے بارے میں جمالیاتی یا لادینی انداز فکر رکھتا ہے نہ علم کا صحیح تصور رکھ سکتا ہے نہ تعلیم کا۔ وہ جب درسی کتاب کا مواد طلبہ کے سامنے پیش کرے گا تو کم یا زیادہ کچھ نقص رہے گا اگر موضوعِ درس انسانی و معاشرتی علوم میں سے ہے تو نقص بہت زیادہ ہوگا۔ حیاتیاتی علوم میں سے ہے تو نسبتاً کچھ کم ہوگا۔ اور طبیعی علوم میں اس سے بھی کم۔ اُسی مصنف یا معلم سے جس کو خود یہ تعلیم ملی ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے اور اس کی بندگی بجالائی جائے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ تمام علوم کو اس نظر سے دیکھے کہ یہ سب خالق عالم کی تخلیق کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اسی سے امید ہوسکتی ہے کہ اس زاویۂ نظر کو طلبہ کے دلوں میں اتار سکے۔ یہ امر جماعت کے ان افراد کو ملحوظ رکھنا چاہیے جن کے سپرد یہ کام ہے کہ اساتذہ کو تربیت دیں اور ان کا انتخاب کریں یا وہ کہ درسی کتابیں اور مدرسوں اور کالجوں کا نصاب منظور کرنا ان کا کام ہے۔ آج کل اہل علم میں لادینیت موضوع میں داخل ہے اور ساری دنیا کے مدرسوں اور کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں سب لادین حضرات کی تالیف ہیں ان کتابوں میں تعلیم کی صحیح نوعیت اور صحیح رخ کو جو معلم کو اختیار کرنا چاہیے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ سب قطعاً مخرب تعلیم ہیں ان کی جگہ دوسری کتابوں کو رائج ہونا چاہیے۔ جو اس کلیے کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہوں کہ ہر فرد میں ذہنی یا تعلیمی نمو کا فطری تقاضا موجود ہوتا ہے۔ مگر کامل نمو اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک خاص راہ اختیار کرے اور یہ راہ وہ ہے جو سب سے زیادہ کمال و جمال والے نصب العین کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایسا نصب العین، اللہ ہے۔ سائنس کی ہر کتاب کا نام یوں لکھا جائے۔

اللہ کی تخلیق کا مطالعہ

اس کے نیچے دوسرا ذیلی نام ہو

''عالمِ مادیات'' یا ''عالمِ حیاتیات'' یا ''عالمِ نفسیات''

ذیلی نام موضوع کتاب کے مطابق منتخب کیا جائے۔ اس کے بعد دوسرا ذیلی نام اس خاص مضمون کی طرف اشارہ کرے جس سے بحث کی گئی ہے: مثلاً طبیعات، کیمیا، طبقات الارض، علم النجوم وغیرہ ان کتابوں کے سرورق پر لکھا جائے جو عالمِ مادیات سے متعلق ہوں۔ حیاتیات، حیوانات،

علم النباتات، علم الابدن، تشریح الاعضا وغیرہ ان کتابوں کے سرورق پر لکھا جائے جو عالم حیوانی سے متعلق ہوں۔ اور سیاسیات، اخلاقیات، معاشیات، تعلیم، تاریخ، نفسیاتِ انفرادی، نفسیات اجتماعی، منطق، ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ وغیرہ ان کتابوں پر تحریر کیا جائے جن کے مباحث انسان کے ذہن کی نوعیت اور اس کے وظائف خیال وعمل پر مشتمل ہوں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جو مباحث عالمِ حیات سے متعلق ہوں گے ان کے لئے ضرورت ہوگی کہ عالم مادی سے کچھ واقفیت ہو اور جو مباحث عالمِ نفسیات سے متعلق ہوں گے ان کے لئے ضرورت ہوگی کہ حیاتیاتی دنیا سے بھی واقفیت ہو اور ساتھ ہی مادی دنیا کا بھی کچھ علم ہو۔ ابھی علوم کو تین شعبوں میں جو تقسیم کیا گیا ہے وہ محض اس بنا پر کہ کس شعبہ علم کو اصل موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مثلاً جغرافیہ عالم نفسیات سے متعلق سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان اور اس کے ماحول کے باہمی علاقوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ لیکن جغرافیہ کا مطالعہ کچھ حیاتیات اور مادیات کا مطالعہ بھی مانگتا ہے۔ اسی طرح تاریخ کے آئینے میں انسان کا ذہن عملی روپ میں نظر آتا ہے اور ریاضی اور فلسفے میں یہ ذہن عالم فکر میں گرم جولاں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

انسانی علوم کی درسی کتابوں کی از سرنو تالیف کی ضرورت اور اس پر بحث

مذکورہ بالا معاشرتی اور انسانی علوم کی درسی کتابوں کو دوبارہ تالیف کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ متعلّم کی علمی کوشش ہی نہیں بلکہ اخلاقی عمل میں بھی غلط روی سے محفوظ رہے اور تعلیمی تقاضا ہی نہیں بلکہ اخلاقی تقاضا بھی پورا پورا مظاہرہ کر سکے اور پوری پوری تشفی پا سکے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اصلیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان فلسفوں اور مکاتب میں سے ہر فلسفے اور مکتب فکر میں انسان کی اخلاقی سرگرمی کا کوئی پہلو عقلی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ جب عقلاً یہ بیان غلط ہوگا تو جس اخلاقی عمل پر وہ اکسائے گا وہ عمل بھی اخلاقاً پست وادنیٰ ہوگا۔ علوم مذکورۂ صدر میں کوئی ایسا نہیں جس کا اصل مغز انسانی فطرت کے بارے میں کوئی خاص نظریۂ حیات یا کوئی نصب العین نہ ہو۔ تاوقتیکہ یہ نظریۂ حیات صداقت پر مبنی نہ ہو اور تاوقتیکہ یہ نصب العین کمالِ حسن وخیر وصداقت نہ رکھتا ہو، وہ علم یا فن جس سرگرمی سے بحث کرتا ہے اس کی تصویر غلط پیش کرے گا، یہی نہیں بلکہ اس

سرگرمی کو بے راہ ہو جانے کا سبق دے گا۔ انسان کی کوئی جدو جہد پوری رفعت کو نہیں پہنچ سکتی، اپنی بہترین صورت نہیں اختیار کر سکتی اور جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہے اس کو حاصل نہیں کر سکتی۔ تاوقتیکہ اس کا صدور اعلیٰ ترین حسن و خیر و صداقت والے نصب العین کی خدمت کے لئے نہ ہو اور اس نصب العین تک رسائی پیش نظر نہ رکھتی ہو، مگر بد قسمتی سے بحالت موجودہ ان علوم نے فرض کر لیا ہے کہ کوئی سرگرمی پوری رفعت کو نہیں پہنچ سکتی اور بہترین صورت نہیں اختیار کر سکتی تاوقتیکہ اس کا صدور لادینیت کے نصب العین کی خدمت اور عملی زندگی میں اس تک رسائی پانے کے لئے نہ ہو۔ اس لئے یہ تمام علوم بحالت موجودہ غلط مدون ہوئے ہیں اور اگر ہم ان کو بہ شکل موجودہ اپنے کالجوں کے درسیات میں شامل کریں گے تو ہمارے نوعمر طلبہ کا علمی تقاضا ہی نہیں اخلاقی تقاضے بھی غلط راہ پر پڑ جائیں گے اور ان کو غلط تعلیم ملے گی۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

نظام تعلیم میں آزادیٔ افکار کی روش

بدن میں زہریلا انجکشن لگانے کے مترادف ہے

ہمارے اس خیال پر اعتراض ہو سکتا ہے معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ذہنی آزادی کا گلا گھونٹنا ہوگا اور اس کے یہ معنی ہوں گے کہ عقائد زبردستی ٹھونسے جا رہے ہیں اور ذہنی غلامی کو رواج دیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ اعتراض صرف وہ اصحاب کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی یہ دریافت کرنے کی زحمت نہیں کی ہے کہ انسان کا کامل تعلیمی نمو کیا رخ اختیار کرتا ہے، نہ ان شرائط و لوازم کو معلوم کیا ہے جن پر تعلیمی نمو کا انحصار ہوتا ہے۔ ہم اس اعتراض کا جواب پہلے ہی دے چکے۔ جس طرح حیاتیاتی نمو اپنے قوانین کا تابع رہتا ہے اسی طرح کچھ قوانین ہیں جو تعلیمی نمو پر حکمران رہتے ہیں۔ ہم نہ حیاتیاتی قوانین سے بہ آسانی سرتابی کر سکتے ہیں نہ تعلیمی نمو کے قوانین سے۔ اگر ان میں سے کسی سے انحراف کیا جاتا ہے تو نتیجے بھگتنے پڑتے ہیں۔ آخر کیا بات ہے جو ہم اپنے بچوں کو ہر طرح کی چیزیں کھانے پینے اور ہر قسم کی دوائیں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیوں ہم کہہ دیتے ہیں کہ خبردار فلاں فلاں چیز منہ میں نہ رکھنا۔ جس طرح کچھ کھانے پینے کی چیزیں

نامرغوب اور زہریلی ہوتی ہیں جو بدن کی صحت تباہ کر دیتی ہیں اور نشو ونما روک دیتی ہیں اسی طرح خیالات بھی نامرغوب اور زہریلے ہوتے ہیں جو نفس کی صحت تباہ کر دیتے اور اس کا نمو روک دیتے ہیں۔

اگر معلم طلبہ کا کامل تعلیمی نمو چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان کو باطل افکار و آراء کا دلدادہ ہونے سے بچائے۔ غیر رواداری، اگر ہم اس کا صحیح مصرف جانتے ہوں تو بُری چیز نہیں ہوتی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تعلیم کی اعانت اور اس کی منفعت کا تحفظ کرتی ہے۔ تریاق کی تاثیر پر بھروسہ کرنا اور بدن میں زہریلا انجکشن لگانا کوئی مفید طریقہ نہیں ہے۔ اگر معالجہ ضروری ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حفظ ماتقدم کو اتنا ہی ضروری نہ سمجھا جائے۔ غیر رواداری کو انفرادی آزادی کی پامالی کہہ کر ہم جتنی چاہیں بحث کر سکتے ہیں مگر یہ بحث ہے اس وقت تک کہ ہم کو فرد کی فلاح و بہبود کا پتا نہیں ہے، ہم یہ نہیں سمجھتے کہ فلاح و بہبود ہے کس بات میں۔ جب وہ وقت آئے گا اور وہ وقت آنا ضرور ہے کہ فلاح و بہبود اعلیٰ سے اعلیٰ اور ارفع سے ارفع ہر فرد کے حصے میں جائے گی۔ اس وقت خود فرد کے فائدے کے لئے اور نیز معاشرے کے فائدے کے لئے جس سے فرد کا تعلق ہے فرد کے ساتھ کچھ سخت گیری گراں نہ گزرے گی۔

اس زمانے میں ہم کو صحت کے قوانین صحیح صحیح معلوم ہیں اور ان کے بارے میں ہم کوئی شک وشبہ بھی دل میں نہیں رکھتے۔ اسی سبب سے صحت عامہ کی خاطر ہم ان کو بہ جبر نافذ کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ شاہراہ عام پر کوئی شخص بے ہودگی کرتا ہے تو فوراً جیل خانے بھیج دیا جاتا ہے اور کسی کو اس سزا پر تعجب نہیں ہوتا، ہماری تہذیب اور ہماری تمدن ترقی کر رہا ہے۔ ایک وقت وہ آئے گا کہ نفس کو صحت و راحت بخشنے والے قوانین سے بھی ہم سب اسی طرح وثوق و یقین کے ساتھ واقف ہو جائیں گے جس طرح قوانین صحت سے اب واقف ہیں۔ اس وقت کسی گزرگاہ عام پر فرائڈ یا مارکس کے فلسفے پر تقریر کرنے کے جرم میں اگر کسی شخص کو قید خانے بھیج دیا جائے گا تو کسی کو تعجب نہ ہوگا۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

نصب العین کا انتخاب طالب علم کے رجحان پر چھوڑنا حماقت ہے

غرض سرپرسی نن کا یہ خیال درست نہیں کہ نہ زندگی کا ہی کوئی مخصوص نصب العین ہونا

چاہیے اور نہ تعلیم کا۔ کیونکہ ایک مخصوص نصب العین کا انتخاب طالب علم کے غیر تربیت یافتہ اور ناقابلِ اعتماد رجحانات یا اتفاقات پر چھوڑ دیا جائے اور پھر کبھی وہ اچھا ہو اور کبھی بُرا، یہ بہتر ہے کہ ماہر تعلیم خود پوری سوچ بچار سے اس کے لئے ایک خاص نصب العین منتخب کر دے تا کہ اس نصب العین کا اثر سارے نظام تعلیم میں سرایت کرے اور وہی طالب علم کے ذہن پر مسلط ہو اور کوئی دوسرا نصب العین جسے وہ غلط یا ناکافی سمجھتا ہے اس کی جگہ نہ لے لے، اگر ہم اپنے نظام تعلیمی کو جان بوجھ کر کسی اچھے نصب العین پر قائم نہیں کریں گے تو وہ خود بخود کسی بُرے نصب العین پر مبنی ہو جائے گا ذمہ داری ہم پر عائد ہو گی۔ یہ حقیقت اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ تعلیم کے بارے میں غیر جانبدار رہنا ناممکن ہے ہم مجبور ہیں کہ ہم یا تعلیم کا اچھا راستہ اختیار کریں یا بُرا۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا راستہ جو نہ اچھا ہو نہ بُرا ممکن نہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

انسان کی حیوانیت کو، اعلیٰ ترین نصب العین قرار دینے والے حکمائے مغرب

ڈارون (DARWIN) کے نظریہ ارتقا کے تتبع میں وہ سمجھتے ہیں کہ انسان مادہ سے ترقی کر کے موجودہ حالت کو پہنچا ہے یہ باور کرنے کے لئے ان کے پاس ڈارون کے نظریہ کا علمی سہارا ہے جسے وہ غلط قرار دیں تو کس بنا پر اور چھوڑیں تو کہاں جائیں۔ لہٰذا وہ سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے مادہ تھا پھر اس میں کائنات کی میکانکی قوتوں کے عمل سے تغیر پیدا ہوا تو حیوان وجود میں آیا جس کا امتیازی وصف اس کی جبلتی خواہشات ہیں۔ پھر حیوانی جبلتوں سے کسی نہ کسی طرح سے وہ ذہنی اوصاف یا قویٰ پیدا ہوئے جو انسان سے خاص ہیں اور جو اس کے مخصوص افعال و اعمال کا موجب ہیں۔ مثلاً ضمیر اور عقل وفکر۔ سیاست، مذہب، فلسفہ، قانون، اخلاق، ہنر، وغیرہ وہ مانتے ہیں کہ انسان اپنے ذہنی قویٰ اور اوصاف اور افعال کے لحاظ سے حیوان سے مختلف ہے لیکن ان کے نزدیک ان اوصاف اور افعال کا سبب انسان کی جبلتوں میں تلاش کرنا چاہئے جو حیوان اور انسان میں مشترک ہیں اور جو انسان نے حیوان سے وراثتاً حاصل کی ہیں کیونکہ اگر وہ حیوانی جبلتوں سے پیدا نہیں ہوئے تو پھر کہاں سے آئے ہیں۔

چنانچہ مغرب کا ماہر نفسیات جس سے مغرب کا ماہر تعلیم فطرت انسانی کے متعلق اپنے

نظریہ کے اکثر عناصر مستعار لینے پر مجبور ہے، انسان کے ان مخصوص اعمال کو یا تو ساری جبلتوں کا نتیجہ سمجھتا ہے مثلاً میکڈوگل (MC DOUGALL) اور یا ان میں سے کسی ایک کا مثلاً فرائڈ (FREUD) اور ایڈلر (ADLER) کے نزدیک انسان کی شخصیت کا بیشتر حصہ اس کا لاشعور ہے جس کے اندر جنسی محبت کا ایک زبردست جذبہ ہے۔ جنسی محبت ایک جبلتی خواہش ہے جو حیوان میں بھی موجود ہے۔ لیکن فرائڈ سمجھتا ہے کہ وہ انسان میں پہنچ کر زیادہ قوی اور معنی خیز ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے، کیا انسان کی نسل جسے قائم رکھنے کے لئے قدرت نے اسے جنسی خواہشات دی ہیں اس کی ان خواہشات کی غیر معمولی قوت اور معنی خیزی کے بغیر قائم نہ رہ سکتی تھی؟ فرائڈ اس کے متعلق خاموش ہے، تاہم وہ کہتا ہے کہ انسان کے شعور کے سارے مشتملات اس کے جنسی جذبۂ لاشعور سے آتے ہیں۔ چونکہ انسان سماج کے خوف سے اپنے شرمناک لاشعوری جذبہ جنسیت کو پوری طرح سے مطمئن نہیں کر سکتا لہٰذا وہ اس کے کچھ حصہ کو مذہب، اخلاق، علم، ہنر وغیرہ کی صورت میں تبدیل کر کے مطمئن کرتا ہے، بچپن میں لاشعوری جذبۂ جنسیت ماں یا باپ کی جنسی محبت کی صورت اختیار کرتا ہے جسے آبائی الجھاؤ (OEDIPUS) کہا جاتا ہے بعد میں جب یہ الجھاؤ کمزور ہو جاتا ہے تو زندگی کے نصب العین اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ گویا نصب العینوں کی بنیاد جنسیت (SEXUALITY) ہے۔

ایڈلر (ALDER) لاشعوری جذبہ کو حب تفوق یا استیلاء قرار دیتا ہے جو ایک جبلتی خواہش کی حیثیت سے انسان اور حیوان دونوں میں موجود ہے، انسان بچپن میں کمزور ہونے کی وجہ سے ایک احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر ساری عمر اس احساس کا علاج کرنے کے لئے بڑی کوششیں کرتا ہے تاکہ اسے دوسروں پر تفوق اور استیلاء حاصل ہو جائے اس کوشش میں وہ زندگی کے بعض بڑے بڑے نصب العینوں کا اختراع کرتا ہے اور ان کی محبت اور جستجو میں سرگرداں رہتا ہے۔

جو لوگ انسان کی حیوانیت کو اس کے اعلیٰ ترین نصب العینوں کا منبع اور ماخذ سمجھتے ہیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ زندگی یا تعلیم کا کوئی نصب العین معین کریں گے یا اس کے انتخاب کے لئے کسی ذہنی کاوش سے کام لینا ضروری سمجھیں گے۔

انسان گوشت پوست کا نام نہیں بلکہ اس کی اصل خودی ہے جس کی تربیت مقصود ہے

دانشوروں کے نزدیک انسان کے ارتقاء کی ترتیب اس طرح سے ہے پہلے مادہ پھر حیوان اور پھر انسان۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کا ارتقاء ایک درخت کی طرح ہوا ہے جس کی نشوونما کی انتہا پر پھول یا بیج پیدا ہو جاتا ہے، لیکن وہ غلطی سے درخت کی نشوونما کو تنے سے شروع کرتے ہیں کہ پہلے تنا تھا، بعد میں اس سے شاخیں اور پتے پیدا ہوئے اور ان شاخوں اور پتوں سے پھول اور پھول سے بیج، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو فقط درخت کا تنا ہی نظر آتا ہے چونکہ بیج جس سے درخت پھوٹا ہے تہ زمین ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ بیج جو درخت کی نشوونما کا آخری نتیجہ ہے وہی اس کا ابتداء بھی ہے۔

انسان کی خودی (HUMAN SELF-CONSCIOUSNESS) جو اس کے مخصوص قویٰ اور اوصاف اور افعال کا منبع اور ماخذ ہے اور جس کا ظہور انسان کے ارتقاء کا آخری نتیجہ ہے وہی کائنات کی ہستی کی صورت میں انسان کی اصل بھی ہے۔ وہ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھی۔ اس نے اپنے اوصاف کے اظہار کے لئے کائنات کے درخت کو ارتقائی منازل سے گزارا ہے اس ارتقاء کے آخری نتیجہ کے طور پر اس درخت میں ایک پھول کا ظہور ہوا ہے جسے ہم انسان کہتے ہیں اور جس میں کائنات کی ہستی کے اوصاف کا عکس موجود ہے۔

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے!
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

انسان کی حقیقت اس کا مادی جسم یا اس کی حیوانی جبلتیں نہیں، نہ ساری جبلتیں اور نہ ان میں سے کوئی ایک جبلت بلکہ اس کا شعور یا اس کی خودی ہے جسم خودی سے پیدا ہوا ہے خودی جسم سے نہیں ہوئی۔ قالب از ماہست شد نے ما زو (رومی)

اسی انسان کی تعلیم و تربیت ہمارے ماہرین تعلیم کے ذمہ ہے۔ انسان کی اعلیٰ ترین

سرگرمیاں جو اس کی خصوصیت ہیں مثلاً ضمیر، عقل وفکر، محبت تصورات ونظریات، مذہب، فلسفہ، اخلاق، سیاست، علم اور ہنر انسان کی خودی کی سرگرمیاں ہیں اور انسان کی جسمانی یا حیوانی جبلتیں خودی کی خدمت گزار اور حاشیہ بردار ہیں۔ چونکہ انسان کی تعلیم وتربیت سے مراد اس کی خودی کی تعلیم وتربیت ہے، ضروری ہے کہ تعلیم اور تربیت کی تمام صورتیں اس غرض وغایت کے ماتحت ہوں۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ'' قومی تعمیر وزوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

قومی نصب العین کو کمزور کرنے والے تصورات پر پابندی کی ضرورت

میرے اس فقرے پر کہ ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم کچھ عرصہ کے لئے مخالف اور غلط تصورات کے اثر کو کسی راستے سے بھی طالب علم تک پہنچنے نہ دیں، شاید وہ حضرات جو آزادی رائے کے متعلق بعض مغربی اقوام کے پروپیگنڈا سے متاثر ہیں چیں بچیں ہوں کہ یہ تو وہی انسان کی ذہنی نشوونما کو روک دینے والی غلامی ہے جو بعض فسطائی حکومتوں نے لوگوں پر مسلط کر رکھی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہر قوم آزادی رائے کا نام اس وقت تک لیتی ہے جب تک وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے غلط اور صحیح راستے میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور نہیں جانتی کہ کونسی رائے اس کے قومی نصب العین کو کمزور کرنے والی ہے اور کونسی نہیں اور سچ بات یہ ہے کہ اس وقت تک ہر قوم خود اپنے نصب العینِ حیات کی رو سے آزادیٔ رائے کا ڈھنڈورا پیٹنے میں حق بجانب بھی ہوتی ہے اور اسے اس کا ڈھنڈورا پیٹتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص اپنی منزل مقصود کو نہیں پہچانتا اور وہ نہیں جانتا کہ وہ کس سمت کو چل کر وہاں پہنچ سکتا ہے اس وقت تک اگر وہ چلتے چلتے کسی رکاوٹ سے ٹھوکر کھا کر دائیں یا بائیں طرف مڑ جاوے یا مخالف سمت میں چلنے لگ جائے تو اسے شکایت کا حق نہیں پہنچتا اور نہ ہی اس کے دل میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے۔

تمام قوموں سے زیادہ جمہوریت اور آزادی کا نام لینے والی قوم امریکہ ہے لیکن آج امریکہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اشتراکیت کا تصور اس کے نصب العین حیات کا مخالف ہے۔ لہٰذا آج امریکہ کی حکومت ان امریکنوں کے ساتھ جن کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اشتراکی افکار کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، جو برتاؤ کر رہی ہے، وہ دنیا کے سامنے ہے۔ ہیرالڈ جے لاسکی سچ کہتا ہے

کہ اگر روس جمہوری سرمایہ داری افکار کو بورژوا تصورات کے نام سے دباتا ہے تو امریکہ اشتراکی افکار کو بے راہروی (LICENSE) کے نام سے دباتا ہے، آزادی رائے دراصل دونوں کے ہاں مفقود ہے۔

جب آئن سٹائن (EINSTIEN) جرمنی سے بھاگ کر امریکہ آیا تو امریکہ کے نام نہاد جمہوریت اور آزادی کے پرستاروں نے شور بپا کر دیا کہ ہٹلر کی جرمنی میں سائنسدانوں کو بھی آزادی حاصل نہیں لیکن اب وہی آئن سٹائن ہے جو اشتراکیت نوازی کے الزام میں امریکی حکومت کے زیر عتاب ہے گزشتہ فروری کے مہینہ میں امریکی حکومت نے ڈاکٹر یائس (Dr EAIS) ایک مشہور امریکی پروفیسر اور مصنف کو اس الزام میں پکڑ لیا تھا کہ وہ محکمہ اطلاعات امن امریکہ (PEACE INFORMATION CENTRE OF U.S.A.) کا صدر رہ چکا ہے اور حال ہی میں حکومت انگلستان نے ایک روسی فلم ڈائریکٹر اور ایک چینی شاعر کو اس بنا پر انگلستان کی اجازت نہیں دی کہ وہ انگلستان کی مجلس امن (BRITISH PEACE COMMITTEE) کے اجلاس میں بطور مندوبین کے شریک ہو رہے ہیں۔ ہم مغرب کے پروپیگنڈا سے بہت جلد فریب کھا جاتے ہیں، کوئی قوم مشرق میں رہتی ہو یا مغرب میں، اپنی فطرت کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ دنیا کی کوئی قوم اپنے نصب العین حیات کے ساتھ کوئی اقدام گوارا نہیں کر سکتی خواہ وہ اپنوں کی طرف سے ہوا اور خواہ بے گانوں کی طرف سے اور نہ ہی اسے گوارا کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ ''قومی تعمیر و زوال میں نظام تعلیم کا کردار'' حافظ محمد موسیٰ بھٹو

احیاءالعلوم کی مجوزہ تحریک کا حاصل

(1) پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس مملکت کا نظریہ لا الہ الا اللہ، نظریۂ توحید ہے۔

(2) نظام تعلیم کو از آغاز تا انتہاء (KG سے PHD لیول تک) نظریۂ پاکستان کا تابع بنایا جائے اور نظام تعلیم کا مقصد نظریہ پاکستان، نظریۂ توحید کے حامل مثالی انسان پیدا کیے جائیں۔

(3) نظریہ پاکستان کے منافی تمام نظریاتی نصاب منسوخ کر دیے جائیں اور ہر سطح پر نصابی کتب کو از سر نو نظریہ کے مطابق تحریر کرایا جائے۔

(4) نئے نصابی انداز میں ہر شعبۂ تعلیم میں تصورِ خدا، تصورِ آخرت اور آسمانی ہدایت، پیغمبر اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا تصور اُجاگر کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ہر نصابی کتاب کے شروع میں کم از کم چار صفحے اس موضوع سے متعلق آیات اور احادیث بمع ترجمہ بھی دی جائیں۔

(5) سائنس کے اصولوں کو خالق کائنات کے اصول اور کائنات کو خالق کائنات کی تخلیق کے طور پر پیش کیا جائے۔

(6) نئے نصاب کی تعلیم دینے والے معلّمین کی بطور خاص تربیت کی جائے کہ وہ اپنا کردار بطور نمونہ پیش کر سکیں۔

(7) اس نئے نظریاتی نصاب کے تحت کام نہ کرنے والے ہر ادارے کو بند کر دیا جائے اور پورے ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے۔

(8) غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہبی معاملات کے لئے اپنے بچوں اور بڑوں کے لئے محدود تعداد میں لٹریسی سنٹرز بنانے کی اجازت دی جائے جس پر مسلمان طلبہ کے داخلے پر پابندی ہونی چاہیے۔

(9) اس عظیم کام کو کرنے کے لئے ایک کمیشن تشکیل دیا جائے جو اس نصاب کی تیاری کرے، اس کا نفاذ کرے اور پانچ سال کے مختصر عرصے میں ملکی سطح پر ہر تعلیمی ادارے کو نئے نظام سے منسلک کر دے۔

وحی اور لادین فلاسفہ

ایک ضمنی وضاحت قارئین کے لئے نہایت مفید ہوگی کہ دنیا میں علوم انبیاء علیہم السلام کے فروغ کے دور میں ابلیسی گروہ ہمیشہ سے چھپ جاتا ہے اور جب آسمانی وحی اور علوم انبیاء علیہم السلام کے اثرات خود ان انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں پر بھی کمزور پڑ جاتے ہیں تو یہ ابلیسی گروہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دنیا میں خوب اودھم مچاتا ہے تاریخ گواہ ہے کہ 600 ق م سے 600 عیسوی تک یونان (ایران، ہند وغیرہ) میں اس کثرت سے خدا ناآشنا فلاسفہ گزرے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ مگر جیسے ہی اسلام کے اثرات پھیلے یہ گروہ غائب ہوگیا اور حیرت ہے کہ پانچ صدیوں تک یونان میں کوئی قابل ذکر فلسفی تاریخ میں ریکارڈ نہیں۔ اس دور میں اگر ابلیسی نظریات کے کچھ فلاسفہ ہوئے بھی ہیں تو خود مسلمانوں میں سے ہیں جو اسلام دشمن گروہوں کے ورغلانے میں آ گئے۔ اسی طرح سقوط غرناطہ اور سپین سے اسلام کے خاتمہ کے بعد یورپ میں یونانی فکر و فلسفہ کا احیاء اور احیاء العلوم کی تحریک میں بہت سے نام ہیں اس لئے کہ اس وقت بھی احیاء العلوم کے لئے اسلامی ذہن زوال کا شکار تھا۔ اور یہ زوال کئی صدیاں جاری رہا ہے تا آنکہ گزشتہ ایک صدی سے بہت کچھ کام ہوا ہے اور مغربی فلاسفہ کے سامنے اسلامی احیاء العلوم کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔

یونان کی طرح ہند اور ایران میں بھی اسلامی احیاء العلوم کے بعد ابلیسی تحریکوں کے داعیان مفقود ہو گئے۔ اور نمایاں ہوئے بھی تو اسی دور میں جب اسلامی ذہن زوال پذیر ہو رہا تھا یہ شواہد اسی بات کی علامت ہیں کہ اب اسلامی احیاء العلوم کی تحریک اٹھی اور کامیاب ہوئی تو دور حاضر کا ابلیسی نظام (جو سیکولر نظام کے نام سے پہچانا جاتا ہے) بھی غائب ہو جائے اور اس کے مدعیان اور حامیان بھی غائب ہو جائیں گے۔

SCIENCE

&

CON SCIENCE

سائنس اور سائنٹفک انداز تحقیق و استدلال آج کے دور میں بہت معروف ہیں، سائنس ایک محکم، غیر مبدّل حتمی اور دنیا میں ہر جگہ قابل امتحان (VERIFIABLE) حقیقتوں کے مجموعے کا نام ہے اسی طرح سائنٹفک انداز بھی عالمی، معروف قابل قبول دوسروں کے انداز کا احترام کرتے ہوئے کسی بات کا تجزیہ اور تنقید کرنے کو کہا جاتا ہے ــــــــــــ سائنٹفک انداز مہذب انداز ہے اور اس انداز میں کوئی بات سامنے آئے تو پڑھنے اور سننے والے کو بات تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ بعینہٖ ــــــــــــ اسی طرح انسانی ضمیر اور انسان کے باطن یعنی دل میں جو اخلاقی حس موجود ہے جسے MORAL LAW کہا جاتا ہے اور جس کی باتیں تمام دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قابل لحاظ ہیں سوائے اس کے کہ کوئی انسان غلط ماحول میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے بالکل ہی بے ضمیر ہو جائے، ورنہ ضمیر کے احساسات کا انکار ممکن نہیں۔ مغرب نے 1960ء کے عشرہ کے بعد نصاب تعلیم میں تبدیلی کر کے اب VALUELESS اور MORALLESS انسان پیدا کر دیے ہیں، ورنہ اس سے پہلے اخلاقی قدروں کا انکار ممکن نہیں تھا اور سچ یہ ہے کہ اب بھی اخلاقی قدروں اور ضمیر کا انکار ممکن نہیں ہے۔ غور کریں انگریزی میں ضمیر کے لئے "CONSCIENCE" کا لفظ آتا ہے CON کا سابقہ کسی جگہ مجتمع ہونے کے لیے آتا ہے اور باقی لفظ سائنس کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں سب سائنسی اصول یا علوم جمع ہوتے ہیں وہ CONSCIENCE یعنی ضمیر ہے گویا ضمیر کی باتوں کا انکار بھی سائنس کی بدیہیات کے انکار کی طرح ہے۔

انتساب

اکبرالہ آبادی کی شاعری کا پیغام
ڈاکٹر علامہ اقبال کے ارمانوں کی تفسیر
ڈاکٹر رفیع الدین کے خوابوں کی تعبیر
جدید نظامِ تعلیم کو خداشناس بنانے کی ضرورت کو اجاگر کرنے
اور امت کے بیدار مغز ماہرین تعلیم کو جھنجھوڑنے والا

احیاء العلوم نمبر

ان سچے مسلمانوں کے نام
جو موجودہ خدا بیزار، خدا ناشناس، ابلیسی نظام تعلیم کو مشرف بہ اسلام کر کے
خداشناس اور وحی شناس بنانے کا عزم رکھتے ہیں تا کہ اس نظام تعلیم سے
فارغ ہونے والے لاکھوں نوجوان اس جذبے سے سرشار ہوں کہ
پہلے پاکستان اور پھر عالمی سطح پر
موجودہ سائنسی ترقی اور جدید سہولتوں کے ساتھ ساتھ
شرم وحیا، عفت وعصمت
اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے اندر آزادی
عدل وانصاف، مساوات، عدل اجتماعی، حاکمیت خداوندی
اور کفالت عامہ کے تصورات کو حقیقی جامہ پہنانے کے لیے
ہماری زندگیاں وقف ہیں